فہرست مضامین

کام کی باتیں حصہ اوّل

۷۸۶
۹۲

دیباچہ

اس کتاب کا نام "کام کی باتیں" ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔ اسمیں ایسے مضامین اور قصے جمع کئے گئے ہیں جن سے بچوں کو صحت اور قوت جسمانی کی طرف توجہ ہو۔ وقت کی قدر کرنا سیکھیں علم کے صحیح مقاصد سمجھیں۔ انصاف اور صداقت نیک نیتی اور حسن عمل تہذیب و شائستگی محنت اور عملی سرگرمی کا سبق حاصل کریں جھوٹی خوشامد اور ریاکاری سے بچیں۔ اور ایسے اخلاق اوصاف اپنے اندر پیدا کریں جو دنیا میں عزت اور نیک نامی کیساتھ کامیاب زندگی بسر کرنیکے لئے ضروری ہیں اس کیساتھ ہی ان مضامین میں ایسے غلط خیالات کی اصلاح پر بھی توجہ کیگئی ہے جیسے تعصب تنگ نظری لا مذہبی وغیرہ جن سے بالخصوص موجودہ زمانہ میں ہماری قوم کی اجتماعی زندگی کو نقصان پہنچ رہا ہے مزید براں اس میں مختصر طور پر ایسی معلومات بھی جمع کیگئی ہیں جن سے بچے اپنے آپ کو سمجھیں اور اپنی اندرونی قوتوں سے واقف ہو کر ان سے کام لینا سیکھیں۔ انہی وجوہ سے اس مجموعہ کا نام "کام کی باتیں" رکھا گیا ہے فقط

خاکسار
مولف

نقل مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی واقع ۹ آذر ۱۳۴۵ف

نشان مجاریہ ۷۸ — نشان مثل ۱۸۱/۳۷ ۱۳۴۸ف



بہ تنقیح
شرح دستخط
سید محمد بصیر عفی عنہ

منجانب فضل محمد خاں ایم اے ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی
بخدمت مولوی سید مشہود النبی صاحب نقوی حیدرآبادی ساکن
محلۂ اعظم پورہ جدید مکان آرائش بلدہ ۱۳ بلدہ حیدرآباد دکن

مقدمہ
کام کی باتیں حصہ اول و دوم
و
مفید باتیں حصہ اول و دوم

بجواب درخواست مورخہ ۲۲ مہر ۱۳۴۵ف ترقیم ہے کہ آپ کی پیش کردہ کتب
"کام کی باتیں" حصہ اول و دوم و مفید باتیں حصہ اول و دوم کو صدر مجلس
انتخاب کتب منعقدۂ ۱۳۴۵ف نے جملہ مدارس کے کتب خانجات اور انعام کے
لئے موزوں قرار دیا ہے فقط

شرح دستخط
(جناب مولوی شیر محمد خاں صاحب)
مددگار ناظم تعلیمات



تندرستی و صحت

ستھرا لباس رکھو ستھرا اجال رکھو — کھانے میں ہر طرح سے تم اعتدال رکھو
صحت کے مال سے تم دل مالا مال رکھو — صحت کا اپنی سمجھو ہر دم خیال رکھو

دنیا میں تندرستی ہے بے مثال نعمت

صحت کی قدر دق کے دبلے سے جا کے پوچھو — بالوں کی قدر سمجھو گنجے سے جا کے پوچھو
پاؤں کی قدر سمجھو لنگڑے سے جا کے پوچھو — آنکھوں کی قدر سمجھو اندھے سے جا کے پوچھو

دنیا میں تندرستی ہے بے مثال نعمت

صحت نہ ہو، ریاست بیکار چیز سمجھو — صحت نہ ہو تو ثروت بیکار چیز سمجھو
صحت نہ ہو تو حشمت بیکار چیز سمجھو — صحت نہ ہو تو دولت بیکار چیز سمجھو

دنیا میں تندرستی ہے بے مثال نعمت

نیرنگ کا یہ کہنا معلوم گر ہو اچھا — صحت میں چار باتیں یہ قول بھی ہے سچا
سونے کے وقت سونا، اور ہو لباس ستھرا — کھانے کے وقت کھانا اور جسم ہو مصفا

دنیا میں تندرستی ہے بے مثال نعمت

صحت

(از)

شمس العلماء جناب منشی ذکاء اللہ صاحب

ہر شخص پر فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی صحت کی خبر رکھے اور اچھی طرح حفاظت کرے۔ انسان کے واسطے کوئی نعمت صحت کے برابر نہیں وہ اس کی ساری خوشیوں کی جان ہے۔ جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو خود اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ نہ وہ خوش رہتا ہے نہ اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں نہ وہ اپنا کام کر سکتا ہے نہ اوروں کا اپنے ہمنشینوں کو بار خاطر ہو جاتا ہے۔

پس صحت کا قایم رکھنا انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ گو زندگی کا کچھ اعتبار نہیں انسان کی

طاقت سے باہر ہے کہ وہ موت کو روک سکے وہ ہزاروں
طرح سے آتی ہے مگر جو شخص اپنی صحت کی حفاظت
کرتا ہے وہ آخر عمر تک کمزور نہیں ہوتا زندگی کے
سارے لطف اٹھاتا ہے۔

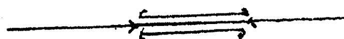
جتنے دنوں زیادہ ہم تندرست صحیح و سالم جیتے
ہیں اور اپنے کاموں میں مستعد رہتے ہیں اتنا ہی
ہم اِن خدمات کا معاوضہ اچھی طرح دیتے ہیں جو
ہماری پرورش اور تعلیم میں ابتدائے عمر میں کیگئی ہیں
پس اے طالب علمو تم اپنی تندرستی کی حفاظت
میں کمال تن دہی کرو۔ اگر اس کام میں غافل رہوگے
تو اپنی زندگی سے خوش نہ رہوگے اس سے مطالعہ اور تحصیل
علم میں خلل پڑیگا۔ اگر تم اپنے طالب علمی کے زمانے میں
ساری تمناؤں اور آرزوؤں میں کامیاب ہو گئے تو اس
زمانے کی صحت کی بے احتیاطیوں کا خمیازہ آئندہ بھگتنا پڑیگا
ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم جتنا شوقین علم کا ہوتا ہے وہ اپنی

صحت کی حفاظت عقل کے موافق نہیں کرتا۔
جو طالب علم جسم کو کاہل بناتا ہے۔ اور بے ورزش رکھتا ہے اور دماغ سے سخت محنت لیتا ہے وہ ضرور امراض میں کم و بیش مبتلا ہوتا ہے جو طلبا قدرتی توانا اور تنومند نہیں پیدا ہوتے اور اپنے تئیں کتابوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان کے دماغ نہایت ضعیف ہو جاتے ہیں اور جسم لاغر و ناتواں۔ اس لئے طلبا کو منع کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی طاقت سے باہر تحصیل علم میں مشقت کر کے اپنا خوں اپنی گردن پر نہ لیں ان کو اپنی صحت کی سب سے زیادہ ایسی احتیاط کرنی چاہئے جیسے کہ اچھا کاریگر اپنے اوزاروں کو تیز رکھنے اور عمدہ سپاہی اپنی بارود کے خشک رکھنے میں احتیاط کرتا ہے۔
صحت آدمی کی بڑی سلطنت ہے اور وہ نعمت ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہو تو اس کو یہ تمام جاہ و

ثروت شان و شوکت دولت و حکومت کے اسباب مل کر خوش نہیں کر سکتے وہ اپنے شاندار محل میں سونے چاندی کے پلنگوں پر ایسے آرام کی نیند نہیں سوتا جیسا کہ ایک غریب آدمی اپنے جھلنگے پر مچھر۔ پسّو کھٹملوں کے اندر سوتا ہے اگر دولتمند تندرست نہ ہو تو دولت کا انبار عیش و عشرت کا سارا سامان دل کو اچھا نہیں لگتا۔ غرض ہماری ساری مسرّت اور فرحت کا بڑا حصّہ ہماری صحت کے ہاتھ میں ہے بغیر صحت کے زندگی وبال ہے صحت ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کے مقابل میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔

افسوس ہے کہ ہم اس عطیۂ الٰہی کو اپنی غفلت سے کھو بیٹھتے ہیں خدا نے تو ہم کو ایسا پیدا کیا ہے کہ اگر ہم خود اپنی صحت کی احتیاط اور مضر واقعات سے اپنے تئیں بچائیں تو ستّر اسّی برس

سے کچھ زیادہ جی سکتے ہیں۔ لیکن اکثر ہم ہیں سے
اس عمر سے پہلے اس سبب سے مرجاتے ہیں کہ
قصداً ہم صحت کے قوانین کے خلاف کام کرتے ہیں۔
جو طلبا شایق علم ہوتے ہیں وہ دماغ کو اور
کل اعضا کی نسبت زیادہ کام میں لاتے ہیں اور
اس کا یہ خمیازہ اٹھاتے ہیں کہ صحت رخصت ہو
جاتی ہے چہرہ زرد بدن لاغر و ناتوان ہو جاتا
ہے اس لئے طلبا کو چاہیے کہ اپنی بساط سے
باہر دماغ سے محنت نہ کیا کریں۔



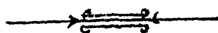
کم کھاؤ

از

جناب محمد عبد العلی صاحب گریجویٹ حیدرآباد دکن

خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار کئی ملکوں کے حکیموں کو جمع کیا اور ان سے کہا تم میں ہر ایک کوئی ایسی دوا بتائے جس میں کوئی نقصان نہ ہو ہندوستان کے حکیم نے جواب دیا کہ ایسی دوا جس میں کوئی نقصان نہ ہو کالی ہڑ ہے۔ عراق کے حکیم نے جواب دیا کہ سپند ان کا بیج ہے تیسرے حکیم نے گرم پانی بتایا۔ چوتھے حکیم نے جو ان سب میں زیادہ عقلمند تھا کہا کہ ہڑ میں یہ نقصان ہے کہ وہ معدہ میں پیچش پیدا کر دیتی ہے۔ گرم پانی سے معدہ کم زور ہو جاتا ہے اسی

طرح سپندان کے بیج کے بھی اس نے بہت سے نقصان بتائے۔ تب تو سب حکیم اس کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیا بتاتا ہے، اور کہنے لگے کہ آخر تمھاری کیا رائے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ایسی دوا جس سے کوئی نقصان نہ ہو یہی ہے کہ جب آدمی کو خوب بھوک لگے تو کھانا کھائے اور کسی قدر بھوک ابھی باقی ہو کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لے اس پر سب حکیموں نے ایک زبان ہوکر کہا کہ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں پیارے بھائیو! اب تو اس حکیم کی سچائی کے تم بھی قائل ہوگئے ہوگے کسی نے سچ کہا ہے کہ زیادہ کھا کر بیمار پڑنے سے کم کھا کر تندرست رہنا زیادہ بہتر ہے۔



فاقہ

از
مسٹر گاندھی

جن دنوں میں نے دودھ اور دال کو ترک کر کے خشک و تر میوہ کھانے کا تجربہ شروع کیا اس زمانے میں ضبط نفس کے لئے فاقے بھی کرنے لگا اس میں بھی مسٹر کیلن باخ میرے ساتھ شریک تھے۔ میں اِس سے پہلے کبھی کبھی فاقہ کرتا تھا مگر محض صحت کے خیال سے یہ بات مجھے ایک دوست سے معلوم ہوئی کہ فاقہ ضبط نفس کے لئے بھی ضروری ہے چونکہ میں ویشنو خاندان میں پیدا ہوا تھا اور میری ماں کو طرح طرح کے کٹھن عہد کرنے کی عادت تھی اس

لئے میں جب تک ہندوستان میں ایکادشی اور دوسرے تہواروں میں برت رکھتا تھا مگر یہ محض والدین کی تقلید اور انہیں خوش کرنیکی کوشش تھی اس زمانے میں نہ مجھے فاقے کی خوبیاں معلوم تھیں اور نہ اس پر عقیدہ تھا۔ لیکن جن دوست کا میں نے ذکر کیا ہے انہیں فاقے کرتے کھینچتے دیکھا تو میں نے بھی ایکادشی کے دن برت رکھنا شروع کر دیا۔ کہ اس سے برہم چاریہ کا عہدہ بنانے میں مدد ملے گی عموماً ہندو لوگ برت میں پھل اور دودھ کا استعمال جائز سمجھتے ہیں مگر ایسے برت تو میں روز ہی رکھتا تھا اس لئے اب میں پورا فاقہ کرنے لگا یعنی صرف پانی پیتا تھا کچھ کھاتا نہ تھا۔

جب میں نے یہ تجربہ شروع کیا تو اتفاق ہندو کے ساون اور مسلمانوں کے رمضان کا ساتھ ہوگیا

تھا۔ گاندھی خاندان ویشنو سماج اور شیو سماج دونوں کے تہوار مناتا تھا اور ویشنو مندر اور شوالے دونوں میں پوجا کرتا تھا خاندان کے بعض افراد ساون کے مہینے میں "پرادوشد"[۱] رکھتے تھے میں نے یہ طے کیا کہ میں بھی یہی کرونگا۔

یہ تجربے اس زمانے میں کئے گئے جب میں اور مسٹر لیکن باخ اور چند سیتا گرھی خاندان اپنے بچوں سمیت ٹاٹسائے فارم میں رہتے تھے ان بچوں کے لئے ہم نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا ان میں چار پانچ مسلمان لڑکے بھی تھے۔ میں انہیں اس کا شوق دلاتا تھا کہ اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں اور اس میں ان کی ہر طرح مدد کرتا تھا خصوصاً نماز کے لئے میری بڑی تاکید تھی چند پارسی اور عیسائی لڑکے بھی تھے انہیں بھی میں ان کی مذہبی رسوم

۱؎۔ صبح سے شام تک کا برت۔

کی پابندی پر راغب کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔
اس لئے میں نے رمضان میں مسلمان لڑکوں سے روزے رکھوانے میں تو خود بڑا دوتتہ کا ارادہ ہی کرچکا تھا ہندو پارسی عیسائی لڑکوں کو بھی میں نے ساتھ دینے پر آمادہ کرلیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ ایسے عمل میں جو ضبط نفس کی خاطر کیا جائے دوسروں کے ساتھ شرکت کرنا ہمیشہ اچھا ہوتا ہے فارم کے رہنے والوں میں سے بہتوں کو میری تجویز پسند آئی۔ ہندو اور پارسی لڑکے ہر ذرا ذرا سی بات میں مسلمان لڑکوں کی تقلید کرتے تھے اور نہ اس کی ضرورت تھی مسلمان لڑکے روزہ افطار کرنے کے لئے غروب آفتاب کے منتظر رہتے تھے مگر دوسرے کچھ پہلے سے کھاپی لیتے تھے تاکہ اپنے مسلمان دوستوں کو اچھے اچھے کھانے پکاکر کھلا سکیں۔ سحری میں بھی اور لڑکے مسلمان لڑکوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے تھے اور نہ ان کی طرح پانی

ترک کرتے تھے۔
ان تجربوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکوں کو روزے کی خوبیوں کا احساس ہو گیا اور ان میں رفتہ رفتہ برادرانہ خلوص اور محبت کی روح سرایت کر گئی۔

ہم سب لوگ جو ٹالسائے فارم میں رہتے تھے بناتاتی تھے اس کی وجہ سچ پوچھیے تو یہ تھی کہ سب لوگوں کو میرے احساسات کی رعایت منظور تھی جس کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مسلمان لڑکوں کو رمضان میں گوشت نہ ملنے سے یقیناً تکلیف ہوئی ہوگی مگر انہوں نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا وہ بڑے شوق سے دال ترکاری کھاتے تھے اور ہندو لڑکے انہیں اکثر مزے مزے کی چیزیں جو فارم کی سادہ زندگی کے مناسب حال ہوتی تھیں پکا کر کھلایا کرتے تھے۔

میں نے بیچ میں یہ ذکر خاص کر کے چھیڑا ہے کیونکہ ان واقعات کو جن کی یاد میرے لئے بڑی خوشگوار ہے

کہیں اور بیان کرنے کا موقع نہ تھا۔ اس ضمن میں میری یہ خصوصیت بھی ظاہر ہو گئی ہے کہ مجھے جو بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں اپنے رفیقوں کو بھی شریک کر لیتا ہوں ان لوگوں کو فاقے کی عادت نہ تھی مگر "پرادوشہ" اور رمضان کے روزوں کی بدولت انہیں یہ محسوس ہو گیا کہ فاقہ ضبط نفس کے لئے کس قدر مفید ہے۔

اس طرح فارم میں خود بخود ضبط نفس کی فضا پیدا ہو گئی۔ رفتہ رفتہ فارم کے اور رہنے والے بھی ہمارے ساتھ ادھورے اور پورے فاقے کرنے لگے جو ان کے لئے یقیناً سراسر مفید تھے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کے ترک لذات سے ان کے دل پر کہاں تک اثر ہوا اور انہیں جو اس پر قابو پانے میں کس حد تک کامیابی ہوئی البتہ اپنی نسبت مجھے یقین ہے کہ اس سے بیحد جسمانی اور اخلاقی فائدہ پہنچا

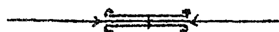
اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ فاقے اور اس قسم کی اور
اور ریاضتوں کا اثر سب پر یکساں ہوتا ہے۔

فاقہ حیوانی جذبات کو دبانے میں صرف اس صورت میں مفید ہے۔ جب ضبط نفس کی خاطر کیا جائے۔ میرے بعض دوستوں کا تو تجربہ ہے کہ فاقے کے بعد حیوانی جذبات اور بھڑک اٹھے اور ذائقے کی قوت اور تیز ہوگئی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر فاقے کے ساتھ ہر وقت ضبط نفس کا خیال نہ رکھا جائے تو اس سے بالکل کام نہیں چلتا یہ محض خام خیالی ہے کہ اکیلا فاقہ ضبط نفس میں مدد دیتا ہے یہ مضمون بھگوت گیتا کے دوسرے باب کے مشہور اشلوک میں بہت خوبی سے ادا کیا گیا ہے

جو شخص صرف ظاہری لذتوں کو ترک کرتا ہے۔
اس کے دل سے محسوس چیزوں کا خیال دور ہو جاتا ہے
آرزو کی خلش نہیں جاتی۔
مگر جب اسے خدا کا جلوہ نظر آجائے تو یہ کھٹک

بھی نہیں رہتی۔

غرض فاقہ اور اس قسم کی دوسری ریاضتیں محض ضبط نفس کا ذریعہ اور بجائے خود کافی نہیں اگر جسمانی فاقے کے ساتھ ضبط نفس کا فاقہ ہو تو اس کا انجام ریاکاری اور ہلاکت ہے ؎



ریاضت جسمانی

از

شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب

جسم کے ہر رگ پٹھے اور ہڈیوں کی مضبوطی اور ان کا بڑھنا ریاضت پر موقوف ہے ریاضت ہی سے ان میں تکمیل ہوتی ہے۔ طالب علموں کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا کرسی پر یا زمین پر بیٹھنا اور ڈسک پر جھکنا اور کتاب کے مطالعہ میں ڈوب جانا ممکن نہیں کہ جسم کو بڑھائے یہ کام فقط ورزش جسمانی کا ہے کہ رگوں میں روانی ہوتی ہے۔ پٹھے اپنا کام آزادانہ کرتے ہیں۔

نوعمر طالب علم کو چاہیے کہ وہ کم از کم دو گھنٹے تک کھلے میدانوں کی ہوا کھایا کرے ورنہ معدے

کے مختلف امراض اور طرح طرح کی دماغی بیماریاں اس کو ستائینگی۔

یہ مشہور ہے کہ نہ کام کرنا نہ کھیلنا لڑکے کو کاہل بیمار نکما کر دیتا ہے اس واسطے اگر جسم کو توانا اور تندرست رکھنا چاہتے ہو تو ضرور ہے کہ کاہلی سے اپنے تئیں نجات دو۔ یہ ورزش تم کو زندہ دل خوش دل۔ تندرست رکھے گی۔ طاقت و زور بڑھائیگی اور کاموں کو خوش دلی سے کرنا سکھائے گی۔

ریاضت جسمانی ہمارے جسم کی معمار ہے اس سے جسم میں توانائی آتی ہے نمو ہوتا ہے۔بیس پچیس برس کی عمر تک رگوں اور ہڈیوں میں پختگی نہیں آتی اعضار کی ورزش ان کو مستحکم کرتی ہے۔

ریاضتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک عام دوسری خاص عام وہ جس میں جسم کے تمام اعضاء کی ریاضت ہو خاص وہ کہ جس میں خاص اعضا کی ریاضت ہو

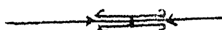
فقط خاص اعضاء کی ریاضت سے کام نہیں چلتا اگر
تم دو گھنٹہ پھرو چلو تو اس سے ٹانگیں مضبوط ہونگی
اور اعضاء پر چنداں اثر نہیں ہوگا اس کے عوض
کیلئے کرکٹ ٹینس کھیلنے کشتی لڑنے کی ورزش کرو اگر
مگدر ہلاؤ جس سے ہاتھ بازو سینہ میں قوت آتی ہے
تو بیٹھکیں بھی لگاؤ کہ ٹانگوں میں قوت آئے۔

ورزش اور ریاضت میں بڑا خیال یہ رکھنا چاہیے
کہ اس میں سختی نہ ہو ریاضت کرتے جاؤ اور بیچ میں
دم لیتے جاؤ اگر ورزش متواتر کروگے اور وہ تمھاری
بساط سے باہر ہوگی تو وہ نفع کی جگہ ضرر کریگی بعض
طلبہ ورزش میں ایسے دیوانے ہو جاتے ہیں کہ کچھ اپنی
قوت کا خیال نہیں رکھتے آخر کو اس کا خمیازہ بھگتتے
ہیں ورزش میں اعتدال چاہیے اس کے ہر کام میں
اس پر عمل کرنا چاہیے کہ جب قلب کہے کافی ہے اور
پکارے کہ باز رہو تو اس کی اطاعت کرو۔

یہ جو تم کالجوں اور اسکولوں کے میدانوں میں دیکھتے ہو کہ طلبا کرکٹ کھیلتے ہیں اور گیندوں کے پھینکنے اور لپکنے کے لئے دوڑتے ہیں اور ورزشی کرتبوں میں اچھلتے کودتے ہیں تو یہ نہ جانو کہ وہ فقط لڑکوں کا کھیل دل بہلانے کے لئے ہے بلکہ یہ سمجھو کہ یہ کھیل ہی طلبا کے جسم کو توانا اور دل کو دانا کرینگے اور وہ عزت اور عظمت کی معراج پر ایسا پہنچا ئینگے کہ دنیا اسے دیکھے گی۔

اُمرا کی اولاد کو اکثر محنت مشقت کے کاموں سے نفرت ہوتی ہے اس لئے وہ جاہل ان پڑھ رہ جاتے ہیں کوئی ہنر ان کو نہیں آتا غربا کی اولاد کو اول ہی سے یہ سب اپنے پیشے اور حرفے کے وہ کام کرنے پڑتے ہیں کہ جس سے ہاتھ پاؤں خوب مضبوط ہوجاتے ہیں۔ ورزش جسمانی سے ان کا کام جسم کو قوی کردیتا ہے مگر ابتدائے عمر سے وہ اپنے کام دھندوں میں ایسے پھنستے ہیں کہ سوائے اس تعلیم جسمانی کے کوئی اور تعلیم

اخلاقی اور دماغی نہیں ہوتی۔ اس طرح دونوں غربا و
اُمراکی اولاد میں نقص اور عیب رہتے ہیں اس
لئے مہذب ملکوں میں اِن دونوں کے دور ہونے کیلئے
انتظام ہوتا ہے انگلستان میں اب وہی اعلیٰ درجے
کے عالی دماغ سمجھے جاتے ہیں جو شہ زور بھی ہوں۔



کھیلوں کی تاریخ

(از)

جناب عزیز احمد صاحب قریشی

فٹ بال اس زمانے میں بہت ہی ہر دلعزیز کھیل ہو رہا ہے اس کی ابتدا یونان سے ہوئی تھی زمانہ قبل از تاریخ میں یونان کے لوگ چمڑے کے ایک گنبد سے ٹھڈوں سے کھیلا کرتے تھے یہ گیند ہاتھ کے چھوٹے گیند سے کافی بڑا ہوتا تھا رومن لوگ بھی کھیلوں میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے ان کے ہاں کھیلتے وقت گیند کو ہاتھ لگانے کی اجازت تھی چنانچہ اسی سے آج کل کا کھیل رگبی (یہ کھیل بھی فٹ بال کی طرح ہوتا ہے اس میں ہاتھ سے کھیلنے کی اجازت ہوتی ہے۔ نیز گیند کی

شکل بیضوی ہوتی ہے، کو اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کھلاڑی دو پارٹیوں میں منقسم ہو جاتے تھے اور ہر پارٹی دوسرے کے گول میں گیند پھینکنے کی کوشش کرتی۔ جب گیند کسی پارٹی کے گول میں چلا جاتا تو وہ شکست خوردہ سمجھی جاتی۔

فٹ بال کے جتنے قواعد و ضوابط فی زمانہ عوام کو معلوم ہیں زمانہ قدیم میں لوگ ان کا عشر عشیر بھی نہ جانتے تھے ہاں بہت کچھ تحقیق کے بعد اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ایک گیند اور گول کے دو ڈنڈے ضرور ہوا کرتے تھے اور صدیوں تک لوگ اسی طرح کھیلا کئے۔

رومن لوگ جنہوں نے انگلستان میں کئی اصلاحات کیں۔ گرجے مکانات قوانین وغیرہ بنائے اور وحشی انگریزوں کو تہذیب یافتہ بنایا یہاں اپنے ساتھ کئی چیزیں

لائے۔ جن میں فٹ بال کے کھیل نے یہاں
کے باشندوں کے دلوں میں بہت ہر
دلعزیزی حاصل کی اور انگلستان کے مختلف علاقہ
جات میں خصوصاً نارتھمرلینڈ سمرلینڈ اور سکاٹ لینڈ
کے چند علاقوں میں یہ کھیل حیرت انگیز طریق سے شرود
منگل کے دن کھیلا جانے لگا ابھی تک باوجود بہت
کچھ تحقیق کے یہ بات پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچ سکی
کہ شرود منگل کے دن تخصیص سے یہ کھیل کیوں کھیلا
جاتا تھا۔

انگلستان کے شمالی حصہ میں اس کھیل کو لوگوں
نے بہت پسند کیا اور قومی کھیل قرار دیا بظاہر تاریخ
سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ باقاعدہ گول بناکر
ہماری طرح کھیلتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں کیونکہ
کھیلنے کیلئے کوئی خاص طریقے مقرر نہیں تھے بلکہ کھلاڑی
وحشیوں کی طرح کھیلتے ایک دوسرے کو دھکے دیتے کسی

کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیتے تھے کسی کو اٹھا کر دے
ٹپکتے کبھی ہاتھ میں فٹبال اٹھا کر گول میں جا پھینکتے
غرض عجیب و غریب قباحتیں آئے دن دیکھنے میں
آتی تھیں لطف یہ کہ یہ سب کچھ جائز سمجھا جاتا تھا ہر
سال سکاٹ لینڈ میں فٹ بال کا ایک میچ ہوا کرتا
تھا اس دن دفتروں میں چھٹی ہوتی تمام دکانیں بند
کردی جاتیں چھوٹے بڑے بوڑھے ۔عورتیں۔ مرد بچے
سب گھروں کو تالے لگا کر میدان میں آ جمع ہوتے
اور سوائے عورتوں کے (کیونکہ کھیل خطرناک ہے)
ہر عمر کے لوگ کھیل میں شریک ہو جاتے اکثر دفعہ
حادثات بھی پیش آتے کسی کا بازو ٹوٹ جاتا تو کسی
کی ٹانگ الگ ہو جاتی جس شخص کے پیٹ پر فٹ
بال لگا وہ تو وہیں ہائے کر کے بیٹھ گیا اور کھلاڑیوں
کے پاؤں تلے روندا گیا جیمس اول شاہ سکاٹ لینڈ
نے (جو بعد میں الزبیتھ کی وفات پر شاہ برطانیہ کلاں

ہوگیا) نے اپنے ولی عہد کو یہ خطرات دیکھتے ہوئے فٹ بال کے کھیل میں شامل ہونے سے بالکل منع کردیا

برتھ میں بھی فٹ بال کا سالانہ میچ ہوا کرتا تھا لیکن اس میں صرف کنوارے نوجوان اور شادی شدہ اشخاص حصہ لیتے۔ مڈلو تھائیں (Midlothian) کا میچ سب سے عجیب ہوتا تھا۔ کیونکہ اس میں ایک طرف کنواری عورتیں اور دوسری طرف شادی شدہ عورتیں کھیلتیں۔ جیت کبھی ایک طرف کی اور کبھی دوسری طرف کی ہوتی۔

ساحل انگلستان پر جب سکاٹش اور انگریز آپس میں فٹ بال کھیلتے تو عجیب نظارہ ہوتا۔ یہاں قومیت کا سوال ہر وقت پیش نظر ہوتا تھا۔ طرفین کھیلتے لیکن ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو کر کئی کھلاڑی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے کئی عمر بھر کے لئے لنگڑے ہو جاتے۔ غرض کئی جانیں تلف ہو جاتی تھیں کھیل

کاہے کو تھا اچھی خاصی جنگ ہو جاتی تھی۔
اس اثنا میں فٹ بال بڑا خطرناک کھیل ثابت ہوچکا تھا اور لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے سالانہ میچ خاص طور پر بند ہو گئے اور شرود منگل (فٹ بال کا دن) کے دن کو لوگوں نے اپنی یاد سے بھی نقش باطل کی طرح مٹا دیا۔ یہ واقعہ قریباً ۱۸۳۰ء سنہ کو ظہور میں آیا لیکن ابھی اکثر گاؤں کے باشندے اس پرانی رسم کو نہیں بھولے تھے۔ چنانچہ ایس بورن (Ashbourne) میں شرود منگل کے دن صدیوں تک فٹ بال کے سالانہ میچ جاری رہے اور ابھی تک کھیلے جاتے ہیں لوگ کسی ندی کے آٹے والے خراس سے دو پہیئے اکھاڑ لاتے ہیں اور ان کے گول بنائے جاتے ہیں ہزاروں کی تعداد میں گاؤں کے گاؤں جمع ہوتے ہیں ان ہزاروں کے کھیلنے کے واسطے میدان بھی ویسا ہی بڑا چاہیے نہ تو یہ لوگ

ٹچ لائینز ([illegible] لگاتے ہین اور نہ گوں کے کونوں پر جھنڈے گاڑتے ہیں تمام لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کھیل شروع ہو جاتا ہے چونکہ ٹچ لائن تو کوئی ہوتی نہیں اس لئے کھلاڑی گیند کو دور دور بھگا لے جاتے ہیں کبھی کھیتوں میں کبھی بازاروں میں کبھی ریلوے لائن پر اور کبھی ندی میں (یہ ندی اپنی بورن کے قریب ہی بہتی ہے) جا پھینکتے ہیں بس پھر کیا بھاگڑ مچ جاتی ہے سب کے سب ندی میں جا کودتے ہیں اور وہیں گتھم گتھا ہونا شروع ہو جاتی ہے وہ تو خدا کا شکر ہے کہ ندی پایاب ہے ورنہ سب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے جب فٹ بال بازاروں میں پہنچتا ہے تو دوکاندار دکانیں لٹ جانے کے ڈر سے کواڑوں کو بند کر لیتے ہیں غرض عجب منظر ہوتا ہے فٹ بال کے سالانہ تہواروں نے لوگوں کو بہت

نقصان پہنچایا اس لئے امرا بالخصوص اور غربا بالعموم اس کے مخالف ہوگئے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ۱۸۳۰ء کے قریب یہ تہوار بند ہوگئے تھے۔ لیکن یار لوگ بھلا کب نچلے بیٹھنے والے تھے ۱۸۶۰ء کے قریب جب سکول جاری ہوگئے تو فٹ بال کا کھیل طلبا کے لئے لازمی قرار پایا مگر اس کے باقاعدہ ضوابط و قوانین بنائے گئے اور پھر فٹ بال نے لوگوں کی نگاہوں میں وقعت حاصل کرنی شروع کی اب اس کے کھیلنے کے دو طریقے قرار پائے ایک تو ٹھڈوں سے (جیسا کہ آجکل کھیلا جاتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اس زمانے میں یونیورسٹی اور کالجوں کے طلبا کو بھی اور کھیلوں سے نفرت ہوگئی اور فٹ بال کا کھیل پسند کیا گیا اب یونیورسٹی نے ضروری محسوس کیا کہ یونیورسٹیوں کی طرف سے کوئی خاص قوانین فٹ بال کے بنائے جائیں۔

اگرچہ ہاتھ سے کھیلنے کا طریقہ شرو د منگل اور رومن حکومت میں جائز تھا (اس میں فٹبال کو پکڑ کرلے بھاگنا دوسروں کو اس سے مارنا ٹھوڈے لگانا گیند کے لئے کھلاڑیوں کو اٹھا کر دے ٹپکنا سب جائز تھا) لیکن اس کی قباحتوں کو دیکھ کر ۱۸۷۷ء میں رگبی کے مقام پر ایک کانفرنس بیٹھی اور اس نے ہاتھ سے کھیلنے کا یہ طریقہ سرے سے ممنوع قرار دے دیا۔ اور صرف ٹھوڈوں سے کھیلنے کی اجازت دی گئی ۱۸۶۳ء میں انگلستان میں فٹ بال ایسوسی ایشن کی شکل میں ایک مجلس بنی اس مجلس کے ہاتھ میں ہر قسم کے اختیارات فٹ بال کے متعلق دے گئے یہ مجلس قانون وغیرہ بناتی اور میچوں میں دیکھتی کہ ان قوانین پر عمل بھی ہو رہا ہے یا نہیں شروع شروع میں فٹ بال ایسوسی ایشن کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مجلس ہذا نے ۱۸۷۱ء میں میچ کا اعلان کیا اور جیتنے والی ٹیم کے لئے ایک

کپ انعام میں رکھا۔ عام ٹیموں نے کپ کو اپنی
ہتک سمجھا کیونکہ وہ خیال کرتی تھیں کہ اگر ہمیں
کپ نہ ملا تو ہماری بے عزتی ہوگی خیر پھر بھی جنوبی
انگلستان کی ٹیمیں کم میچ میں شامل ہوئیں اور
اچھا بڑا میچ ہو ہی گیا پھر بھی لوگ کپ میچوں
میں کم دلچسپی لیتے تھے تماشائیوں کی تعداد
بہت کم ہوتی اور ٹکٹوں کی قیمت نہ ہونے کے
برابر تھی اس سے ایسوسی ایشن کو سخت نقصان
پہنچا جب شمالی کلب (Northern Clubs) کپ میچ میں
شامل ہونے لگے تو لوگ بھی کثرت سے آنے
لگے کیونکہ ان ٹیموں کا کھیل بہت اچھا ہوتا تھا
۱۸۸۲ء میں اوول (Oval) کے مقام پر بلیک
برن روورز اور اولڈ ایٹونینز (Old Etonians)
کی ٹیموں میں میچ ہوا اور بلیک برن روورز
کی ٹیم صرف ایک گول پر ہار گئی ۱۸۸۳ء میں

شمال کی ایک اور ٹیم آئی جس کا نام بلیک برن اولیک تھا اس کے کھلاڑی بہترین تھے چنانچہ انہوں نے اولڈ ایٹونینز کو کامل ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد شکست فاش دی اور کپ جیت کر لے گئے یہ کپ ان کے پاس مسلسل ۱۹۰۱ء تک رہا۔
اب دوسری ٹیموں نے بھی اپنی غلطی کو محسوس کیا اور وہ اپنی جیت سے پیسے خرچ کر کے دور دراز سے آتیں اور فیس دے کر کھیل میں شامل ہوتیں۔ تماشائیوں کی بھی خوب دھوم دھام ہونے لگی اور ایسوسی ایشن کو اُمید سے زاید آمدنی ہونے لگی ایگزیکٹو کونسل آف انگلینڈ نے اسکی شدید مخالفت کی کہ ٹیموں سے داخلے کی فیس لی جائے۔ مجلس ہذا نے ایک نہ مانی اب تک صرف طلبا میچوں میں شمولیت اختیار کرتے تھے ۱۸۹۰ء میں فٹ بال ایسوسی ایشن آف انگلینڈ

نے ایک قانون پاس کیا جس کی رُو سے تمام لوگوں کو بھی کھیلنے کی اجازت دی گئی لیکن سکاٹ لینڈ آئرلینڈ اور ویلز کے لوگ نہ مانے سکاٹ لینڈ کی ٹیموں نے بڑی کوشش کی کہ یہ قانون کسی طرح اُڑ جائے اور عام لوگ شامل نہ ہوں مگر شنوائی نہ ہوئی بڑی جد وجہد کے بعد ویلز اور آئرلینڈ نے اس قانون کو منظور کر لیا اور سکاٹ لینڈ بادل ناخواستہ اس ایسوسی ایشن سے علیحدہ ہوگیا اور دوسری ایسوسی ایشن کے ساتھ جا ملا۔

عام کھلاڑیوں نے فٹ بال ایسوسی ایشن کی فلاح و بہبودی کے لئے کئی اہم کام کئے اس سے خصوصاً یہ فائدہ ہوا کہ لوگ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں میچ دیکھنے آتے اور ٹکٹوں کے پیسے اچھے خاصے ہو جاتے جن سے اِن لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی فٹ بال ایسوسی ایشن نے ایسے آدمی بھی نوکر رکھے جو

قواعد سے ناآشنا کھلاڑیوں کو کھیلنے کے قواعد سکھاتے
کھیل کے متعلق ایسوسی ایشن نے یہ کیا کہ ایک ہاف
بیک کی بجائے پہلے دو کئے پھر تین اور ایک بیک کی
جگہ دو کردئے اور فارورڈ پانچ کھلاڑی رکھے ایک گول
کیپر مقرر کیا گیا اس طرح کل گیارہ کھلاڑی ہوئے
آج کل اسی کو ٹیم کہتے ہیں اس ترتیب سے کھیل میں
کسی قسم کی دقت کا اندیشہ نہ رہا۔

بعض سکولوں میں موٹے تازے لڑکے فٹ بال
پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کھیل ہمارے مردوں کے کھیلنے
کا نہیں (جس میں اتنے قواعد ہوں) ہمیں اجازت دی
جائے کہ ہم جس طرح چاہیں کھیلیں آخر ان کے لئے
رگبی کا کھیل تجویز کیا گیا اور انہیں اختیار دیا گیا کہ جو
قوانین ان کا دل چاہے اس کے متعلق مقرر کریں
(رگبی جیسا کہ بیان ہوچکا ہے فٹبال کی قسم کا کھیل
ہوتا ہے پس جس طرح چاہو کھیلو) جس سکول میں

رگبی کا کھیل ہوتا تھا۔ وہاں طلبا بھی خوب داخل ہوتے تھے (کیونکہ لوگ اس زمانے میں اتنے قوانین کو پسند نہیں کرتے تھے اور آزادی سے کھیلنا چاہتے تھے)، یہی طلبا جب تحصیل علوم سے فارغ ہوکر نکلتے تو آپس میں مل کر رگبی کلب قایم کر لیتے اور کھیل کو عمر بھر جاری رکھتے ۱۸۵۰ء میں انگلستان میں کئی رگبی کلب موجود تھے۔

۱۸۷۱ء میں انگلستان میں رگبی فٹ بال یونین کی بنیاد ڈالی گئی اس وقت کئی مشہور بڑے بڑے کلب مثلاً بلیک ہیتھ۔ رچ منڈ۔ بارک شائر اور لنکا شائر کے کلب موجود تھے انہوں نے مل کر ۱۸۸۱ء تک اس یونین کی باقاعدہ مخالفت کی مگر یونین نے بڑی کاوشوں کے بعد قوانین کا ایک مجموعہ تیار کیا اور رگبی میں کھلاڑیوں کی تعداد کم کردی (پہلے دو سو سے بھی ایک ٹیم میں اوپر ہوا کرتے تھے) پارچ ۱۸۷۱ء

میں جب کہ یونین قایم ہوئی انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے درمیان ایڈن برگ کے مقام پر انٹرنیشنل میچ ہوا آئرلینڈ نے پہلی دفعہ ۱۸۷۵ء میں اور ویلز نے ۱۸۸۰ء میں میچ کیا بیسویں صدی کے آغاز میں انگلستان کا فرانس کے ساتھ میچ ہوا جس میں انگریزوں نے خوب داد شجاعت دی۔

مختلف اتحادوں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کیا جس کے نتائج نہایت خطرناک ثابت ہوئے اس پر ۱۸۸۹ء میں انٹرنیشنل بورڈ کی بنیاد ڈالی گئی جس کے بارہ ممبر تھے چھ انگلش یونین سے منتخب کرکے جاتے تھے اور دو دو تین تین اور بڑی یونین سے۔ اس سے تمام برطانیہ کلاں میں ایک ہی قسم کے قواعد کے ماتحت کھیل کھیلے جانے لگے۔

رگبی کھیلوں میں لوگوں نے اپنے کھلاڑی بھیجنے چاہیے لیکن رگبی یونین نے انکار کردیا اس سے عوام نے

بگڑ کر شمالی یونین ایک کلب قایم کر لی اور اپنے
علیحدہ میچ کرنے لگے یہ ۱۸۹۵ء کا واقعہ ہے پہلے
پہل رگبی میں ایک سائیڈ پر ۲۰ آدمی ہوتے تھے پھر
پندرہ کر دیے گئے دس فارورڈ دو بیک دو ہاوز
اور ایک تھری کوارٹرز یہی تعداد آج تک چلی آتی ہے
نیوزلینڈ کی رگبی ٹیم آل بلیک نے کھیلنے میں
کئی اختراعیں کیں مثلاً سات فارورڈ ایک ونگ
فارورڈ ایک ہاف۔ دو فائیو اتھس۔ تین تھری
کوارٹرز اور ایک بیک مگر یہ قواعد بھی نہایت سخت
ہیں اس لئے عام کھلاڑی عمل نہیں کرتے انگلستان
میں اس وقت صرف ایک ٹیم لائی سیسٹر۔
ان قواعد پر اچھی طرح حاوی ہے اور ملک بھر میں
مضبوط ترین ٹیم ہے۔

جہاں انگریز اور بہت سی چیزیں ہندوستان
میں لائے وہاں طلبا کے لئے مفید ترین تحفہ فٹبال

لائے آج ہندوستان کے مدارس میں اچھے اجسام کے
طلباء اس کھیل کو نہایت شوق سے کھیلتے ہیں۔
رگبی بھی اب ملک کے مختلف سکولوں میں رائج
ہو رہا ہے۔ لیکن چونکہ خطرناک کھیل ہے اس لئے
عام سکولوں میں نہیں کھیلا جاتا۔

ورزش

از

مسٹر گاندھی

ورزش انسان کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسے ہوا پانی اور غذا کیونکہ جو شخص پابندی سے ورزش نہ کرے گا کبھی تندرست نہیں رہ سکتا ورزش سے ہماری مراد صرف پیدل چلنا یا ہاکی فٹ بال کرکٹ کھیلنا نہیں ہے بلکہ اس میں ہم ہر قسم کی جسمانی اور دماغی محنت شامل کرتے ہیں غذا کی طرح ورزش بھی جسم اور دماغ دونوں کے لئے یکساں اور ضروری ہے ورزش نہ کرنے سے دماغ اتنا ہی کمزور ہو جاتا ہے جتنا کہ جسم اور کمزور دماغ در اصل بیماری کی ایک صورت ہے۔

ایک پہلوان جو کشتی میں ماہر ہو حقیقی معنوں اس وقت تک تندرست نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ اس کا دماغ بھی اتنا ہی اچھا نہ ہو اس لئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کامل تندرستی اسی وقت سمجھی جائے گی جب کہ جسم اور دماغ دونوں تندرست نہ ہوں اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ دونوں کے لئے یکساں مفید ہیں درحقیقت قدرت نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ہم وقت واحد میں جسمانی اور دماغی دونوں کام کرسکتے ہیں دنیا میں بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو زراعت پیشہ ہیں کسان کو سخت جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے کیونکہ اسے روٹی کپڑا حاصل کرنے کے لئے دن میں ۱۰ گھنٹے اور بعض وقت اس سے بھی زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور جب تک دماغ اچھی حالت میں نہ ہو جسمانی مشقت ممکن نہیں کسان کو کاشت کاری کے تمام اصول پیش

نظر رکھنے پڑتے ہیں اس کو زمین اور موسم کے متعلق
وسیع معلومات کی ضرورت ہے اور چاند سورج ستارو
کی گردش کا بھی علم ہوتا ہے ان چیزوں میں قابل
ترین لوگ بھی کسان کی برابری نہیں کرسکتے اس
کو اپنے گرد و نواح کی حالت بخوبی معلوم ہوتی ہے
وہ رات کے وقت ستارہ دیکھ کر راستے معلوم کرلیتا
ہے اور چرند پرند کے اوضاع و اطوار سے بہت سی
باتیں بتا سکتا ہے مثلاً جب ایک خاص قسم کے پرندے
جمع ہوکر شور مچاتے ہیں تو وہ بتا سکتا ہے کہ اب مینہ
برسنے والا ہے غرض زمین و آسمان کے متعلق جس
قدر معلومات اس کے پیشے کے لئے ضروری ہیں وہ
سب اسے حاصل ہوتی ہیں۔ چونکہ اسے اپنی اولاد
کی تربیت کرنی پڑتی ہے وہ دھرم شاستر کے احکام
سے بھی کچھ واقفیت رکھتا ہے اور ہمیشہ زیر آسمان
رہنے سے اسے خدا کی عظمت کا بآسانی احساس ہوتا

رہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ سب لوگ زراعت پیشہ نہیں
ہو سکتے اور نہ یہ بات ان سے متعلق ہے ہم نے
کاشت کار کی زندگی کا نقشہ صرف اس لئے یہاں
پیش کیا کہ ہماری رائے میں انسان کے لئے یہ بالکل
مطابق فطرت زندگی ہے ہم جتنا اس سے ہٹتے
جائیں گے اتنی ہی ہماری صحت خراب ہو گی کاشت
کاروں کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں دن
میں کم سے کم آٹھ گھنٹے کام کرنا چاہیے جس میں
دماغی کام بھی شامل ہے تاجر اور دوسرے پیشہ ور
جو ایک جگہ بیٹھے رہتے ہیں انہیں اگرچہ کچھ دماغی کام
کرنا پڑتا ہے لیکن وہ اس قدر ناکافی اور اس نوعیت
کا ہوتا ہے کہ اسے ورزش نہیں کہہ سکتے ایسے لوگوں
کیلئے حکمائے مغرب نے فٹ بال کرکٹ کے علاوہ
بعض ایسے چھوٹے چھوٹے کھیل بھی وضع کئے ہیں
جو جلسوں اور دوسرے تقاریب کے موقعوں پر کھیلے

جاتے ہیں دماغی محنت کے لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ
تجویز کیا گیا ہے جس سے دماغ پر بار نہ پڑے اس
میں شبہ نہیں کہ ان کھیلوں میں جسمانی ورزش ہوتی
ہے لیکن یہ غور طلب ہے کہ کیا دماغ کے لئے بھی وہ
ایسے ہی مفید ہیں کتنے اعلیٰ فٹبال اور کرکٹ کھیلنے
والے ایسے ملیں گے جن کے ذہنی قوائے غیر معمولی ہوں
ہندوستان کے جو والیان ریاست ممتاز کھلاڑی
سمجھے جاتے ہیں انہوں نے کون سی دماغی قابلیت کا
ثبوت دیا ہے اس کے برخلاف ملک کے کتنے قابل
ترین افراد ایسے ہیں جو ان کھیلوں میں حصہ لیتے
ہوں تجربہ کی بناء پر ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ایسے
بہت کم لوگ کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں جنہیں فطرت
نے اعلیٰ دماغی قابلیت عطا کی ہے انگلستان کے باشندے
کھیلوں کے بڑے شوقین ہیں لیکن خود انہیں کا مشہور
شاعر کیلنگ کھلاڑیوں کے ذہنی قوائے کے متعلق نہایت

غیر حوصلہ افزا رائے ظاہر کرتا ہے۔

ہندوستانیوں کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے یہاں کے لوگ سخت دماغی کام کرتے ہیں لیکن کبھی جسمانی ورزش میں حصہ نہیں لیتے ان کے جسم دماغی کام کی کثرت سے کمزور ہو جاتے ہیں اور یہیں اس زمانے میں جب کہ دنیا ان کے خدمات سے استفادہ کرنا چاہتی ہے وہ مہلک امراض کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے اس کو خیر باد کہتے ہیں اس لئے ہمارے مشاغل ہونے چاہیں نہ بالکل جسمانی اور نہ ایسے جن سے صرف عارضی طور پر لذت اندوز ہونا مقصود ہو بہترین ورزش وہ ہے جو جسم اور دماغ دونوں کو تقویت پہنچائے صرف اسی طرح کی ورزش آدمی کو حقیقی معنوں میں تندرست رکھ سکتی ہے اور کسان ہی وہ شخص ہے جس کے روزانہ مشاغل میں ایسی ورزش داخل ہے اب سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ کیا کریں جو کاشت کار نہیں کرکٹ کی طرح

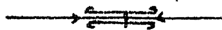
کے کھیلوں سے جتنی ورزش ہوتی ہے وہ بالکل کافی نہیں اس لئے کچھ نہ کچھ اور کرنا چاہیے۔ عوام کے لئے بہترین صورت یہ ہوگی کہ وہ مکان میں ایک چھوٹا سا باغ لگائیں اور روزانہ چند گھنٹے اس میں کام کریں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ پوچھیں کہ اگر مکان ذاتی نہ ہو تو کیا کیا جائے لیکن یہ احمقانہ سوال ہے کیونکہ کوئی مالک مکان اپنے گھر کی اصلاح سے ناخوش نہیں ہو سکتا اور ہمیں اس احساس سے مسرت ہوگی کہ ہم نے ایک غیر شخص کی زمین اچھی حالت میں رکھی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اس ورزش کے لئے وقت نہ ہو یا جو اسے نہ پسند کرتے ہوں ان کیلئے چہل قدمی بہت اچھی چیز ہے اس کے متعلق بہت صحیح کہا گیا ہے کہ یہ تمام ورزشوں کی ملکہ ہے ہمارے سادھوؤں اور فقیروں کے طاقتور ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پیدل پھرتے

ہیں امریکہ کے مشہور مصنف تھورو نے چہل قدمی کے متعلق بہت سی عجیب باتیں بیان کی ہیں اس کا قول ہے کہ جو لوگ ہمیشہ گھر میں رہتے ہیں اور کبھی کھلی ہوا میں نہیں نکلتے ان کی تصانیف بھی ان کے جسم کی طرح ہوتی ہیں اپنے ذاتی تجربہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ میری بہترین تصانیف اسی زمانہ کی ہیں جب کہ میں بہت چلنے کا عادی تھا اسے پیدل چلنے کی اس قدر عادت تھی کہ دن میں پانچ چار گھنٹے چلنا اس کے لئے معمولی بات تھی ہمیں ورزش کا اتنا شوق ہو جانا چاہیئے کہ کسی حالت میں ہم اسے ترک نہ کر سکیں ہم اسے بالکل محسوس نہیں کرتے کہ جسمانی ورزش کے بغیر ہمارے دماغی کام کس قدر کمزور اور معمولی ہوتے ہیں پیدل چلنے سے جسم کے ہر حصے کو حرکت ہوتی ہے اور دوران خون تیز ہوتا ہے کیونکہ جس وقت ہم تیز چلتے ہیں تازہ ہوا سانس کے ذریعہ پھیپھڑوں میں داخل ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مناظر قدرت کے مشاہدے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے گلی کوچوں میں پھرنا یا روز ایک راستے پر جانا تو بیکار ہے ہمیں چاہیے کھیتوں اور جنگلوں میں جایا کریں جہاں قدرت کی نیرنگیوں سے لطف اٹھانے کا موقع ملے میل دو میل چلنے کا تو چلنے میں شمار ہی نہیں ورزش کے لئے دس بارہ میل چلنا ضروری ہے جو لوگ روز اتنا نہیں چل سکتے وہ کم سے کم ہفتہ میں ایک دفعہ تعطیل کے دن تو ایسا کر سکتے ہیں۔

ایک شخص کو سوء ہضم کی شکایت تھی وہ ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے گیا ڈاکٹر نے اسے چہل قدمی کا مشورہ دیا لیکن مریض نے کمزوری کا عذر کر کے مجبوری ظاہر کی یہ سن کر ڈاکٹر اسے اپنی گاڑی پر تفریح کو لے گیا اور راستہ میں عمداً اپنا کوڑا گرا دیا مریض اخلاقاً کوڑا اٹھانے کیلئے اترا اس کے اترتے ہی ڈاکٹر اس کی واپسی کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ گیا اور بیچارے مریض کو گاڑی

کے پیچھے پیدل آنا پڑا جب ڈاکٹر کو اطمینان ہو گیا کہ
مریض کافی پیدل چل چکا ہے تو اس نے اسے گاڑی
میں بٹھا لیا اور معذرت کی کہ یہ تدبیر میں نے صرف
اس لئے اختیار کی تھی کہ کسی طرح آپ کو پیدل چلنا
پڑے چونکہ اس اثناء میں مریض کو کافی بھوک معلوم
ہونے لگی تھی اسے ڈاکٹر کے مشورہ کی قدر ہوئی۔ وہ
کوڑے والی بات بھول گیا اور گھر پہنچ کر خوب کھایا
کھایا پس جن لوگوں کو بدہضمی یا اس قسم کی اور شکایتیں
ہوں وہ پیدل چل کر دیکھیں انہیں خود اس ورزش
کے فوائد فوراً معلوم ہو جائیں گے۔



جسمانی نشوونما

جب سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ علم اجسام و نفسانیت کے درمیان گہرا تعلق ہے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بغیر جسمانی نشو و نما کے دماغ کا باقاعدہ ارتقا غیر ممکن ہے اس کی اہمیت تسلیم کرنے میں ہماری ریاست دوسرے ملکوں سے پیچھے نہیں ہے۔ یہاں یورپ کا کامیاب شدہ ایک استاد اس شعبہ کیلئے مقرر کیا گیا ہے اور طلبا کی جسمانی ترقی کی دیکھ بھال کے لئے مختلف طور سے کوشش کی جارہی ہے اسکوٹ کی تحریک کو بار آور کرنے کیلئے بھی ہر ممکنہ طریقہ سے ترغیب دی جارہی ہے بہرحال اس بارے میں دو امور کی جانب میں آپ کی توجہ معطوف کرتا ہوں

اول یہ کہ امتحانات میں لڑکوں کی جسمانی حالت کے
لحاظ سے کچھ نہ کچھ نمبر دیئے جایا کریں مثلاً ایک رجسٹر
حاضری رکھا جائے جس میں کھیل اور ورزش میں
شریک ہونے والوں کی حاضری غیر حاضری درج
ہوا کرے یا کوئی اور تدبیر ایسی اختیار کی جائے
جس سے لڑکوں کی جسمانی ترقی کا اندازہ علی قدر
مراتب ہو سکے اور اس کے لئے کچھ نمبر فیصدی حاصل
کرنا لازم کر دیا جائے مجھے یقین ہے اس مضمون
میں کامیابی کے واسطے خواہ کتنے ہی کم نمبر کیوں نہ
رکھے جائیں تب بھی اس ترکیب سے جسمانی نشو و
نما پر بہت اچھا اثر پڑے گا اگرچہ اس میں مجھے
کچھ علمی مشکلات بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن وہ ایسی
نہیں جو حل نہ ہو سکیں دوسرے یہ کہ سرکاری اور
امدادی دونوں قسموں کے مدرسوں میں طلبہ کا معائنہ
طبی لازم قرار دے دیا جائے اور اس کے ساتھ کوئی

عملی طریقہ نقایص کے رفع کرنے کا بھی اختیار کیا جائے ہمارے طلبا کی عام صحت گویا ایک قومی سرمایہ ہے اس خزانہ کی حفاظت یا اس کو کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کرنے کا کون ذمہ دار ہے جس طرح ایک باپ اپنے لڑکے کی دماغی اور جسمانی نشو و نما کو نظر انداز کرکے اپنی غلطی کی سزا بڑھاپے میں پاتا ہے اسی طرح ایک ملک من حیث المجموع اپنے افراد کی دماغی اور جسمانی کمزوریوں کے دفع نہ کرنے کا خمیازہ جلد یا بدیر بہرحال اٹھاتا ہے تاریخیں شاہد ہیں کہ قانون معاشرت انسانی کی تحت اس غفلت کے پاداش میں قومیں نیست و نابود کردی گئی ہیں کسی ملک کے بچوں اور طالبعلموں کی صحت اور تندرستی اس ملک کا بہترین سرمایہ ہے مولوی محمدؐ حسین صاحب جعفری نے حال میں ایک بیش بہا کتاب زبان اردو میں تالیف فرمائی

اس کا عنوان ڈنمارک اور اس کا طریقہ تعلیم
ہے اس کا
یہ کتاب جعفری صاحب ممدوح کے عینی مشاہدات
پر مشتمل ہے اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ڈنمارک
میں طلبہ مدارس کے طبی معائنہ پر کس قدر زور دیا
جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ والدین کو اپنے بچوں کی
صحت سے اتنا فائدہ نہیں ہے جتنا کہ سلطنت کو اپنی
رعایا کی صحت سے ہے اس قسم کے امور میں والدین
اور سلطنت کے علی الترتیب خواہ کچھ ہی فرائض ہوں
مگر ایک بات بالکل صاف ہے وہ یہ کہ والدین چند برس
میں مرجاتے ہیں اور ان تمام تکالیف سے نجات پاجاتے
ہیں جو ان کی اولاد کی کمزوریوں کا نتیجہ ہوتی ہیں
مگر سلطنت قایم رہتی ہے اور ان لوگوں کی جسمانی
کمزوریوں کی وجہ سے جو اس کی دولت کا سرچشمہ ہوتے
ہیں وہ پشت ہا پشت تک مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں
مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے یہاں بھی معائنہ طبی کا مسئلہ

زیرِ غور ہے امید ہے کہ اس پر ضرور لحاظ فرمایا جائیگا
میں آخر میں یہ کہوں گا کہ اگر استاد یہ چاہتے ہیں کہ
ان کے شاگرد اسپورٹس میں دلچسپی لیں تو اس میں
ان کو بھی اس سے بڑھ کر حصہ لینا چاہیے جتنا کہ وہ
اب تک لیتے رہے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ ہر استاد
کھیل کے میدان میں روزانہ موجود رہے گا آپ چاہے
اس قاعدے کو غیر معمولی یا ضرورت سے زاید سخت
کہیں مگر آج ہمارے ملک کے افراد ارتقار کے بہت
نازک مدارج طے کر رہے ہیں ہم رفتار ترقی بڑھانا
چاہتے ہیں اب کسی انتظار کا موقع نہیں غیر معمولی
کمی کو پورا کرنے کے لئے غیر معمولی کوشش ہی درکار
ہوتی ہے لڑکی نے تعلیم کے بارے میں جو کچھ تدبیریں
شروع کی ہیں اس سے میرا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔
استادوں کے اعضاء و جوارح بھی قانون ورزش
جسمانی کے اس طرح تابع ہیں جس طرح کہ طالب علموں

کے قوی زیادہ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ہم استادوں کے تقرر کے وقت کھیل میں ان کا دلچسپی لینا ایک لازمی شرط قرار دے سکتے ہیں مجھے یقین ہے کہ اسپورٹس میں جتنی زاید دلچسپی استاد لیں گے اتنی ہی ترقی ان کے شاگردوں کے شوق میں ہوگی۔

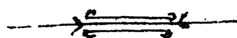
اساتذہ طلبا کے والدین میں تعاون و اتحاد

بحیثیت ایک باپ کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانے میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اساتذہ و طلبا کے والدین میں اتحاد و تعاون ہو مجھے اُمید ہے کہ طلبا کے سرپرست میرے اس خیال کو پسند کرینگے اگر یہ ممکن ہو تو ہر دو مہینے کے بعد کوئی ایک دن ایسا مقرر کیا جائے جس میں طلبہ کے سرپرست

اور مدرسے کے اساتذہ باہم مل کر بچوں کی تعلیم کی
نسبت ضروری امور پر تبادلۂ خیالات کیا کریں اپنے
بچے کے ضعیف اور قوی پہلوؤں سے واقف ہونے کے
علاوہ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ایک سمجھدار
اور دور اندیش سرپرست استاد سے معلومات حاصل
کرکے کوئی صحیح رائے قایم کر سکے گا۔ کہ اُسے اپنے
بچے کو بلحاظ قابلیت رجحان اور صلاحیت کے کون
سا پیشہ اختیار کرانا چاہیے یہ باتیں ایسی ہیں جن
کے متعلق سرپرست بطور خود کوئی صحیح اندازہ نہیں
کرسکتا اِس بارے میں بہت سی غلطیاں ہمارے
بچوں کی زندگی تباہ کرنے کا باعث ہوئی ہیں۔
اور بہت مرتبہ ایک گول سوراخ میں جو کھونٹی
کیل ٹھونکنے کی کوشش کی گئی ہے وقت ضرورت
استاد کسی لڑکے کے والدین کے دل میں یہ خیال
بٹھادیں گے کہ اس بارے میں وہ اپنے بچے کی

ابتدائی زندگی کی نوبت پر کوئی قطعی رائے قایم کریں کہ انہیں اپنے بچے کو کون سا کام سکھانا چاہیے ہر استاد کے پاس راز میں ایک نوٹ بک بھی رہنا چاہیئے جس میں اپنے طلبا کی رفتار وروش اور چال وچلن وغیرہ کے متعلق وہ اپنے مشاہدات کے نتایج کو درج کرتا رہے اس سے بہت سی دوسری باتوں میں بھی مدد ملیگی اگر استادوں اور سرپرستوں کے ایک جگہ جمع کرنے کے اصول کو سرکار منظور فرمالے تو میرے خیال میں اس سے کوئی ایسی اسکیم مرتب ہو سکے گی جس میں طرفین کی بھلائی مضمر ہو اس وقت کیفیت یہ ہے کہ لڑکا برسوں تک مدرسے میں پڑھتا رہتا ہے اس کی طالب علمانہ زندگی ختم بھی ہو جاتی ہے مگر اس کے باپ کو کبھی یہ دیکھنے کا موقع نہیں ہوتا کہ اس کے لڑکے سے کون

تعلیم و تربیت کر رہا ہے بہر حال استادوں
اور سرپرستوں کے درمیان روابط پیدا کرنے
کے لئے ہم کو کچھ عملی قدم بڑھانے چاہئیں اور
میرے خیال میں یہ کوئی ایسا دشوار نہیں ہے



جسم کی طاقت دماغ کی طاقت سے بہتر ہے

از

جناب مسعود علی صاحب

یورپ میں ایک ملک جرمنی ہے ابھی چند روز ہوئے وہاں ایک بہت بڑا جلسہ ورزش کے متعلق ہوا تھا اس جلسہ میں ہر ہٹلر جرمنی کے چانسلر نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جسم کی طاقت دماغ کی طاقت سے بہتر ہے جو لوگ دماغی طاقت رکھتے ہیں اسکول ماسٹر بن سکتے ہیں مگر ایک مضبوط قوم کی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں ہم طاقتور آدمیوں کی نسل بنانا چاہتے ہیں۔

کیونکہ فلسفی ہمارے محافظ نہیں ہو سکتے۔ ہر ہٹلر کے ان الفاظ سے ہمیں سبق لینا چاہیے اس نے جو کچھ کہا اس کا ایک ایک لفظ صحیح اور سچا ہے جسمانی طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے ورزش اس لئے ورزش کرنا ہر نوجوان کے لئے نہایت ضروری ہے انسان کی زندگی کا بھی زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ جسم ترقی کرتا ہے اور جسم میں خون پیدا ہوتا ہے اور اسی زمانہ میں ہم تمام زندگی کے لئے اپنے جسم کو مضبوط اور طاقت ور بنا سکتے ہیں اگر ہم اپنی زندگی کے اس قیمتی حصہ کو ضائع کر دیں اور ورزش سے اپنے جسم کو مضبوط اور طاقت ور نہ بنائیں تو پھر ہم ہمیشہ جسمانی طاقت سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانا پانی اور صاف ہوا کی ضرورت ہے اسی طرح اس

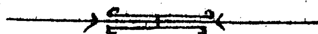
کو تندرست رہنے کے لئے ورزش کرنا بھی لازم
ہے خاص کر ان لوگوں کے لئے جو صرف دماغی کام
کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ پیروں سے محنت کرتے
ورزش بہت ہی زیادہ ضروری ہے کمزور سے
کمزور آدمی بھی ورزش سے اپنے بدن کو مضبوط اور
طاقتور بنا سکتا ہے ورزش کرنے میں قریب قریب
بدن کے ہر حصہ کو محنت کرنا پڑتی ہے اس وقت
خون بدن میں بہت تیزی کے ساتھ گردش کرتا
ہے اور خوب پسینہ آتا ہے یہ پسینہ تمام بدن کی
کثافت یعنی گندگی کو باہر نکال دیتا ہے ہاتھ
پاؤں خوب کھل جاتے ہیں ہاضمہ ٹھیک رہتا ہے
بدن کا ہر حصہ مضبوط اور خوبصورت ہو جاتا ہے
اور جسم میں چستی اور چالاکی آجاتی ہے بیماری اسے
بہت کم ستاتی ہے اور کسی مشکل اور مصیبت کے
وقت وہ نہیں گھبراتا لیکن ایک وہ شخص جو ورزش

نہیں کرتا ہمیشہ سست اور کمزور ہی رہتا ہے جسم
کی کمزوری کی وجہ سے اس کا دماغ بھی کمزور ہوتا
ہے اور صحیح طریقہ سے کام نہیں کرسکتا اس کا
مزاج چڑ چڑا ہو جاتا ہے اور بیماریاں اس پر آئے
دن حملہ کرتی رہتی ہیں محنت سے بھاگتا ہے اور
ذرا سی مشکل یا مصیبت کے وقت کمزوری کی وجہ
سے اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔

کالج اور اسکول کس واسطے ہیں صرف تمہیں
تعلیم دینے کے لئے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ وہاں
تمہیں طرح طرح کے کھیل بھی کھلائے جاتے ہیں
اور ورزشیں بھی کرائی جاتی ہیں ہر اسکول میں
ایک استاد علیحدہ طالب علموں کو کھیل کھلانے اور
ورزش کرانے کے لئے مقرر ہوتا ہے جس کو ڈرل
ماسٹر کہتے ہیں بات یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ طالب
علموں کی صحت اور تندرستی کا بھی خیال رکھا جاتا

ہے اور انہیں مضبوط مستعد اور محنتی بنانے کی
کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کھیلوں کے
ذریعہ انہیں اتفاق وقت کی پابندی باہمی ہمدردی
اور صبر برداشت کرنے کا سبق بھی سکھایا جاتا ہے
لیکن یہ دیکھکر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ بہت
سے طالب علم اسکول کے کھیلوں اور ورزشوں
میں حصہ نہیں لیتے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسکول اور
کالجوں میں پڑھنے والے عام طور سے مریضوں کی سی
صورت اور کمزور نظر آتے ہیں جسے دیکھئے جسم پر گوشت
برائے نام بدن جھکا ہوا رنگ مینڈک کی طرح زرد
سینہ اندر کو دھنسا ہوا بدن پر کہیں سرخی کی جھلک
نہیں افسوس ایسے نوجوان کیا تو پڑھ سکتے ہیں اور
کیا آئندہ زندگی میں دنیا کی سختیوں اور مشکلوں کا
بہادری کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں خیر تھوڑی دیر کے
لئے فرض کر لیجئے کہ انہوں نے پڑھ بھی لیا اور علم

کی بڑی سے بڑی ڈگریاں بھی انہوں نے حاصل کرلیں تو ملک کی وہ کیا خدمت کرسکتے ہیں علم وفضل دولت وحکومت اور دنیا کی ہر نعمت سے انسان جب ہی پورا پورا لطف اٹھا سکتا ہے جب کہ وہ تندرست اور طاقتور ہو اگر تندرستی نہیں اور جسم میں طاقت نہیں تو یہ سب چیزیں بیکار ہیں اگر تم دنیا میں عزت اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو آج سے اس بات کا عہد کرلو کہ ورزش سے کبھی غفلت نہ کروگے۔



ورزش اچھی چیز ہے

(از)

جناب بشیرالدین صاحب

ایک شخص ایک عجیب و غریب چیز اپنے ملک کے بادشاہ کے پاس لے گیا یہ اناج کا ایک دانا تھا جو مرغی کے ایک انڈے کے برابر تھا اس نے یہ عجیب و غریب چیز بہت بڑی قیمت لے کر بادشاہ کے ہاتھ بیچی بادشاہ نے حکومت کے تمام عہدہ داروں کو بلا کر وہ اناج دکھایا اور کہا کہ اس کی تحقیق کریں سبھوں نے بڑی بڑی کتابیں دیکھ ڈالیں لیکن کوئی بھی یہ معلوم نہ کر سکا کہ یہ اناج کہاں پیدا ہوتا ہے آخرکار سب کے سب بادشاہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور یہ عرض کیا کہ کسان اس کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ آپ اُن سے دریافت کریں۔

بادشاہ کے حکم سے ایک کسان بہت بوڑھا کمزور اور لنگڑا کمر جھکی ہوئی دو لاٹھیوں کے سہارے بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا بادشاہ نے اناج دکھایا بوڑھے آدمی نے بمشکل تمام اس کو ہاتھ میں لیا اور جیسے ہی آنکھوں کے قریب لایا تھا کہ وہ اناج زمین پر آرہا بادشاہ نے پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ اناج کہاں اُگتا اور پیدا ہوتا ہے یا تم نے کہیں اس کے متعلق کچھ سنا ہے۔ بوڑھا اپنی کمزوری کی وجہ سے بڑی دیر میں سمجھا اور جواب دیا "کہ میں نے ایسا اناج نہ کہیں بویا اور نہ کچھ اس کے متعلق کہیں سنا البتہ میرے باپ کو شاید کچھ معلوم ہو آپ اُن سے پوچھیں۔"

بادشاہ نے اس کسان کو بلایا وہ اس سے زیادہ طاقتور اور چست تھا اور دیکھنے اور سننے کی طاقت

بھی بہت ہی ٹھیک تھی بادشاہ نے وہ اناج اس کو
دیا اور اس نے اسے غور سے دیکھا اس شخص سے
بھی وہی سوال کیا گیا جو اس کے بیٹے سے کیا گیا تھا
اس نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ چیز تو ہم نے نہیں
دیکھی اور میرے زمانے میں خریدنا اور بیچنا بُرا سمجھا
جاتا تھا روپیہ پیسہ کا معاملہ ہمارے زمانے میں نہیں
تھا البتہ میں نے اپنے باپ کو ایک مرتبہ کہتے سنا تھا
کہ ان کے زمانے میں اناج بہت بڑا ہوتا تھا آپ ان
سے پوچھیں" بادشاہ نے اس کو طلب کیا بغیر کسی
سہارے کے حاضر ہوا اس کی دیکھنے کی قوت پہلے
اُن دونوں سے بہت صاف تھی۔ سننے کی طاقت
بھی بہت اچھی اور بات چیت بھی صاف تھی بادشاہ
نے پہلے کی طرح وہ اناج اس کے ہاتھ میں دیا اس
نے اسے غور سے دیکھا اور اس کا کچھ حصہ چکھ کر
کہا" ایسا اناج میں نے بہت زمانہ پہلے دیکھا تھا

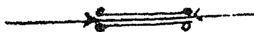
اور یہ بالکل ویسا ہی ہے۔"

بادشاہ نے دریافت کیا کہ کہیں تم نے ایسا اناج بویا یا خریدا ہے بوڑھے کسان نے کہا میرے زمانے میں ایسے اناج ہر جگہ کثرت سے اگتے تھے میں نے اپنے بچپن میں اسی اناج پر زندگی بسر کی ہے اور دوسروں کو بھی تقسیم کیا ہے بادشاہ نے پھر پوچھا "تم نے اسے بویا یا خریدا ہے" بوڑھے نے ہنس کر جواب دیا۔ ہمارے زمانے میں اناج خریدنا یا بیچنا گناہ سمجھا جاتا تھا اور ہم روپیہ پیسہ سے ناواقف تھے ہر شخص اپنا اناج آپ پیدا کرتا تھا بادشاہ نے دریافت کیا "وہ کون سی زمین تھی جسے تم بوتے تھے" کسان نے جواب دیا کہ اس زمانے میں یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص جہاں چاہتا تھا وہاں کاشت کر سکتا تھا کوئی اپنی زمین نہیں کہہ سکتا تھا البتہ محنت ایک

ایسی چیز تھی جس کو سب اپنی ملکیت سمجھتے تھے ہر ایک محنت کا عادی تھا جو جتنی محنت کرتا کم تھا" بادشاہ نے اور دو سوال کئے ایک تو یہ کہ اب زمین پر اناج کیوں نہیں اگتا دوسرے تمہارا پوتا دو لاٹھیوں کے سہارے چلتا ہے اور تمہارا بیٹا صرف ایک لکڑی کے سہارے اور تم بغیر کسی سہارے کے تمہاری آنکھیں بہ نسبت ان دونوں کے صاف اور روشن ہیں اور دانت مضبوط ہیں اور بات چیت بھی صاف ہے۔ اس کی کیا وجہ ؟

کسان نے کہا لوگوں نے اب خود محنت کرنا چھوڑ دی ہے دوسروں کے بھروسہ پر رہتے ہیں آپ لوگ محنت مشقت سے بھاگتے ہیں جیسا جیسا زمانہ گذر رہا ہے لوگ آرام

طلب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میرے بیٹے نے کچھ محنت کی تھی وہ اتنا کمزور نہیں جتنا میرا پوتا ہے کیونکہ اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو محنت سے دور رکھا ہے۔



ایک دایم المریض بچہ ورزش کی بدولت دنیا کا عظیم الشان جنرل و فاتح بن جاتا ہے

کیا آپ نے فرانس کی تاریخ پڑھی ہے؟ کیا آپ نے کبھی نپولین بونا پارٹ کا نام بھی سنا ہے یہ وہی شخص ہے جس نے فرانس میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کیا تھا اور اس نے یورپ ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں ہیجان پیدا کر دیا ملک میں ہر طرف لوٹ مار اور کشت و خون ہوتا تھا لیکن نپولین نے ملک میں امن و امان قایم کر کے اس کو تباہ ہونے سے بچا لیا اور سلطنت کو وسعت بھی دی تقریباً تمام

یورپ فتح کرلیا اگر آخری جنگ واٹرلو میں بھی کامیاب ہو جاتا تو آج دنیا کی حالت کچھ اور ہو جاتی اور کیا تم نے کبھی غور بھی کیا ہے اس میں کیا بات تھی؟ اور وہ کیونکر ایسا عظیم الشان کام انجام دینے کے قابل ہوگیا؟

نپولین کارسیکا کا رہنے والا ایک معمولی شخص تھا کارسیکا یہ ایک چھوٹا جزیرہ ہے جو اٹلی کے بالکل قریب اور فرانس کے جنوبی جانب ہے۔ نپولین کا باپ ایک وکیل تھا آمدنی کم اور خرچ زاید ہونے کی وجہ سے ہمیشہ قرضدار رہتا تھا کسی قدر فضول خرچ بھی تھا لیکن اس کی بیوی کفایت شعار تھی نپولین کے کئی بھائی بہن تھے لیکن کوئی بھائی نپولین جیسا بہادر نہیں ہوسکا۔

نپولین ایک نہایت کمزور بچہ تھا ہمیشہ بیمار

رہتا تھا لیکن بچپن ہی سے اس کی طبیعت
کا میلان کھیل کود اور بھاگنے دوڑنے کی طرف
تھا مزاج میں شرارت بھی تھی گو شریر تھا لیکن
اس کی ماں اُسے سب بچوں سے زیادہ پیار کرتی تھی
نپولین کو پڑھنے لکھنے سے نفرت تھی کیونکہ اس
سے ایک جگہ نچلا بیٹھا ہی نہ جاتا تھا۔

ہمیشہ دوڑ دھوپ کرنا اور فوجوں کو نقل و حرکت
کرتے ہوئے اور فوجی سپاہیوں کو گلی کوچوں
میں مارچ کرتے ہوئے دیکھنا اچھا معلوم ہوتا تھا
اکثر بڑے بڑے بہادروں کے حالات اور جنگوں کے
قصے بہت دلچسپی سے سنتا اور ہتھیاروں کو دیکھ کر
ان کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا اور اپنی چھوٹی
سی لکڑی کی تلوار اور بندوق فوجی سپاہی کی
طرح اٹھا کر اُن کے ساتھ اکڑ کر چلتا۔

جب نپولین بڑا ہوا تو لڑکپن کے زمانے میں

جیسا قاعدہ ہے اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا لیکن وہاں اس کی شرارتوں سے لوگ تنگ آگئے اور والدین نے بیزار ہوکر لڑکیوں کے مدرسہ میں داخل کرایا۔ لیکن لڑکیوں پر بھی قبضہ جمایا نپولین بچپن سے ہی دوڑ دھوپ اور ورزش کو ہی بہت پسند کرتا تھا۔ سواری خوب کرتا تھا جب بڑا ہوگیا تو شہر کے لڑکوں کا لیڈر بن گیا شہر کے تمام لڑکوں کو جمع کرکے دریا کے کنارے شہر کی فصیل کے پاس لے جاتا اور فوجیں بناکر مصنوعی جنگ کرتا جب گھر آتا تو اس کا جسم کیچڑ میں بھرا ہوا اور کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے اس کی ماں کبھی خوب مارتی تھی لیکن اس کی اس کو پروا نہ ہوتی تھی دوسرے روز پھر وہی حال ہوتا۔ یہ اس کی بچپن کی مختصر زندگی ہے صبح اٹھ کر خوب ورزش کرتا اور دن بھی ورزشی کھیل اور مصنوعی جنگوں میں گزارتا تھا اور عمر بھر ایک

ورزشی سپاہی بنا رہا ورزشی زندگی سے اس میں عالی ہمتی استقلال جراُت پیدا ہوگئی اور مشکل سے مشکل کام نہایت ہی سہل ہوگیا اس کا قول تھا لفظ "ناممکن" نپولین کی ڈکشنری میں نہیں ملسکتا لکھا ہے کہ وہ کبھی دوا بھی استعمال نہیں کرتا تھا جب طبیعت کسلمند ہوتی تو فوراً گھوڑا لے باہر نکل جاتا میلوں سواری کرکر آتا اور حمام کرکے سو جاتا یہی اس کا علاج تھا۔

بچو! غور کرو جب تم مدرسہ جاتے ہو تو موٹر میں جاتے ہو پیدل چلنا تک مشکل معلوم ہوتا ہے اور مدرسہ سے جب لوٹتے ہو تو کوئی ورزش نہیں کرتے بلکہ کسی تھیٹر یا سینما میں جاتے اور پنڈھال میں بیٹھ کر آتے ہو یہ تم بہت برا کر رہے ہو صبح ورزش کرو شام میں کہیں کھلی ہوا میں جاکر گھومو چلو ورزش کرو یا کوئی کھیل کھیلو لیکن یہ وقت کسی تھیٹر یا ناچ گانے

کے جلسے میں ضائع مت کرو تعلیم کا وقت تعلیم میں صرف کرو اور پڑھنے کے وقت پڑھو ہر کام وقت پر کرنے کی عادت ڈالو شام میں گھر آکر ورزش کرنے سے دماغ تازہ ہوتا اور حافظ پڑھ جاتا ہے مجھے معلوم ہے کہ کئی طلبا جو روزانہ ورزش کرتے اور اسپورٹس میں حصہ لیا کرتے تھے اکثر امتحانوں میں فرسٹ کلاس میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ایک غریب شخص بھی محنت ہمت اور استقلال سے بڑے بڑے کام انجام دیسکتا اور دنیا میں شہرت حاصل کرسکتا ہے نپولین بونا پارٹ کے حالات کو غور سے پڑھو۔ ہمت کرے تو انسان کیا نہیں ہوسکتا لفظ "ناممکن یا نہیں" کو زبان پر مت لاؤ صرف ہمت کرو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہوجائے گا۔ پھر تمھارا وجود نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے کنبہ والوں پڑوسیوں اور اپنی قوم اور ملک کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔

علم کی قدر کرو

از

اعلیٰ حضرت حضور غفراں مکاں رح

علم کی قدر کرو قدر کرو قدر کرو
تم کو اللہ نے بخشی ہے اگر عقل سلیم

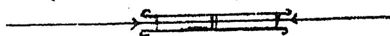
سمجھو سمجھو وہ نکات اور وہ اسرار و رموز
دیکھو دیکھو وہ کتب جو ہیں جدید اور قدیم

علم ہے اس کی دوا اور دوا بھی اکسیر
کہ جہالت بھی ہے منجملۂ امراض سقیم

طالب علم ذکی اور ہو استاد شفیق
کیوں پسندیدہ نہ ہوں ایسے تعلم و تعلیم

فہم و دانش کی ترقی کا یہی باعث ہے

علم کی وجہ سے تھے حضرت لقمان بھی حکیم
قابل صحبت شاہان و سلاطین ہے وہی
عزت اس کی ہے زمانے میں جو کہلائے فہیم
دین و دنیا میں جو پھیلے تو اسی کی خوشبو
مشک اذفر کی نہ یہ عنبر سارا کی شمیم
ایسی دولت کے لئے کوشش و محنت ہو ضرور
ایسی تقدیر عطا جس کو کرے رب کریم
یہ جو آصف نے کہا غور سے اس کو سمجھو
علم وہ شئے ہے کہ اللہ کا ہے نام علیم



ہماری زندگی کی کتاب

از

مسٹر دیوی دت شکل

تمھارے استاد تمہیں اچھی اچھی باتیں بتا سکتے ہیں کتابوں میں تم خود بھی اچھی اچھی باتیں پڑھ سکتے ہو لیکن ان اچھی اچھی باتوں سے واقف ہوکر بھی اچھے نہیں بن سکتے، جب تک تم خود اپنے آپ کو اچھا بنانے کی کوشش نہ کرو۔

ہر ایک لڑکے کو بتایا گیا ہے کہ سچ بولنا چاہیئے جانداروں پر رحم کرنا چاہئے ہمت والا بننا چاہیئے لیکن جب تک کوئی لڑکا خود ہی کوشش نہ کرے وہ سچا، رحمدل، اور ہمت والا نہیں بن سکتا۔

انسان کی زندگی کیا ہے ایک سادہ کتاب

بچہ جب پہلے پہل اپنی آنکھیں کھولتا ہے اسی وقت سے اس کتاب کو لکھنا شروع کرتا ہے جس روز وہ مرتا ہے اسی دن وہ کتاب ختم ہو جاتی ہے اس کی زندگی کے گھنٹے اس کتاب کے لفظ، دن اس کتاب کی سطریں اور کام اس کتاب کے صفحے ہیں اگر تم نے کوئی اچھا کام کیا تو گویا تم نے اپنی زندگی کی کتاب میں ایک اچھا صفحہ لکھا اب تم خود سوچ سکتے ہو کہ اپنی زندگی کی کتاب کو کس طرح لکھو گے غالباً تم یہی جواب دو گے کہ بہت اچھی طرح یہ بہت ٹھیک ہے، یہی ارادہ ہونا چاہئے لیکن سستی تمہارے کان میں آکر کہے گی ایسی کہاں کی جلدی ہے تھوڑی دیر کے بعد دیکھا جائے گا۔ آرام طلبی کہے گی دنیا میں کام کرنے کے لئے بہت وقت ہے کچھ دیر آرام کر لو خود غرضی کہے گی اس کام سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ اگر تم اپنی زندگی کی کتاب کے ان دشمنوں

کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاؤ گے تو تمہاری کتاب خراب ہو جائے گی، مہاتما گاندھی، مسٹر جگدیش چندر بوس، ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی تم کیوں عزت کرتے ہو؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی کی جو کتاب لکھی ہے۔ وہ بڑی چمک دار ہے اس کے ورق بڑے رنگین ہیں تم اس کتاب پر لٹو ہو اگر تم چاہو، تم بھی ایسی کتاب لکھنے کی کوشش کر سکتے ہو اور یہ تم جانتے ہو کہ کسی کی نیک کوشش ضائع نہیں ہوتی صرف چاہ سے کام پورا نہیں ہو سکتا۔ جس طرح تیل کے بغیر چراغ نہیں جل سکتا ویسے ہی کوشش کے بغیر چاہ بھی بیکار ہے۔ اس لئے پیارے بچو کوشش سے ہرگز منہ نہ موڑو اچھی عادتیں اختیار کرنے کی کوشش کرو۔ ہر کام کو توجہ اور اطمینان سے کرو۔ بد مزاجی سے الگ رہو ہر حال میں خوش رہو اور اپنے ساتھیوں کو خوش

رکھو۔ ہر کام کو قاعدہ اور اصول سے انجام دو۔
جس کام کے لئے تمہارا دل گواہی دے کہ ٹھیک
ہے اسی کو کرو۔ ایسے کام میں جو رکاوٹیں آئیں
بڑی ہمت اور صبر سے اُن کا مقابلہ کرو ہرگز نہ
گھبراؤ۔ اگر کسی کام میں تم کو کامیابی حاصل نہ ہو تو
اُس سے بد دل نہ ہو جاؤ۔ اس کو پھر شروع کرو
آخر میں تم ضرور کامیاب ہوگے۔

اسکول میں پڑھ کر تم بڑے بڑے امتحان پاس
کر سکتے ہو۔ لیکن اگر تم بڑا بننا چاہتے ہو' تو اس
کی بھی تم کو خود ہی فکر کرنا ہوگی۔ دنیا بھر کے
ماسٹر اور استاد مل کر بھی تم کو اتنا اچھا نہیں
بنا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو اچھا بنا سکتے
ہو۔ پیارے بچو۔ آپ اپنا استاد بننے کی کوشش کرو

آپ کس لئے پڑھتے ہیں

از

محمد ابوطاہر صاحب

آج کل پڑھنے لکھنے کا مقصد لوگ عموماً نوکری چاکری خیال کرتے ہیں اور تعلیم میں کوشش بھی اسی خیال سے کی جاتی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نوکری مل جائے کسی خاندان میں کوئی لڑکا تعلیم پاتا ہے خصوصاً جب انگریزی تعلیم پاتا ہے تو خاندان کے لوگ ُسے کسی اچھی نوکری پر دیکھنا چاہتے ہیں لہذا وہ تعلیم فضول خیال کیجاتی ہے جس سے لڑکا نوکر نہ ہو سکے۔ فرض کرو۔ ایک صاحب ہیں جن کے ایک صاحبزادے نے تعلیم حاصل کی مگر بدقسمتی سے

نوکری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے ان کے والد صاحب نے دوسرے صاحبزادے کو صرف اس لئے تعلیم دلانا بالکل غیر ضروری سمجھا کہ بڑے بھائی نے پڑھ لکھ کر کیا کیا یہ کچھ کریں گے، دوسری طرف خود لڑکے بھی تعلیم سے فارغ ہو کر صرف نوکری تلاش کرنے میں سرگرم نظر آتے ہیں اور ملازمت کا یہ حال ہے کہ بقول ایک صاحب کے خدا ملے تو ملے نوکری نہیں ملتی حالانکہ جو محنت اور جو کوشش نوکری حاصل کرنے میں کرتے ہیں اگر یہی کوشش اور محنت کسی دوسرے کام میں کریں تو میرا خیال ہے کہ نوکری سے زیادہ اطمینان اور خوشی کی زندگی بسر کریں اور آزاد رہیں بھلا ہندوستان کے غلام باشندے آزادی کی قدر کیا جانیں انسان جیسی زندگی بسر کرتا ہے ویسے ہی اس کا خیال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غلام ہندوستانیوں کے دل میں کوئی

ترقی کا خیال بھی ہوتا ہے، تو غلامی میں ترقی کرنے کا یعنی بڑی ملازمت۔ جب انگریز ہندوستان میں آئے تو لوگوں کو اپنا خیر خواہ اور صنعت و حرفت سے ناکارہ بنانے کے لئے معمولی لکھے پڑھے لوگوں کو اونچی اونچی نوکریاں دینے لگے۔ مگر اب وہ زمانہ کہاں جو مقصد تھا پورا ہوگیا۔ لہذا اب تو اونچی اونچی تعلیم حاصل کئے ہوئے لوگ بھی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں حالانکہ وہ شخص جو ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے وہ اپنی روٹی عزت سے کما لیتا ہے۔ لیکن ایک تعلیم یافتہ شخص حیران پریشان پھرتا ہے کہ میں کیا کروں۔ جس سے چار پیسے ہاتھ آئیں جس طرح انگلستان میں مزدوروں کی بے کاری کا سوال ہے اسی طرح ہمارے ہندوستان میں پڑھے لکھے لوگوں کی بے کاری مسئلہ درپیش ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک لڑکا تعلیم پاکر کیوں اپنی ذات کو

دنیا سے اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح زمیندار
کا لڑکا تعلیم پاکر کیوں زمین داری کے کام سے
جی چراتا ہے اور کسان کا لڑکا تعلیم پاکر کیوں
کسانی سے جی چراتا ہے اسی طرح تاجر کا لڑکا
تعلیم پاکر کیوں تجارت نہیں کرتا اور کس لئے
رات دن نوکری کی فکر میں حیران و پریشان
رہتا ہے اگر یہ لوگ پڑھ لکھ کر اپنے واداکے پیشوں
کو جاری رکھیں تو پہلے سے کہیں زیادہ بہتر طریقہ
پر انجام دے سکتے ہیں۔ بلکہ اپنی سمجھ بوجھ اور
تعلیم کی وجہ سے بہت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔
اور یہ کھی ہوئی بات ہے کہ نوکری کی غلامی
سے تو وہ بالکل آزاد رہیں گے اس وقت
ملازمت کی یہ حالت ہے کہ معمولی نوکری کے لئے
سینکڑوں درخواستیں آتی ہیں۔ اور بلا مبالغہ
بیس روپیہ پر ایک ایم۔ اے مل سکتا ہے

حالانکہ اگر ہم ملازمت کا خیال چھوڑ کر دستکاری اور تجارت کی طرف توجہ کریں تو یقیناً اس سے زیادہ کما سکتے ہیں۔

ہندوستان میں تجارت کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں محنت دیانت داری اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

بہر حال یہ خیال کہ تعلیم پاکر آدمی صرف ملازمت کرے بالکل غلط ہے اور حماقت سے خالی نہیں ہے۔ پیارے بھائیو تم کبھی اس خیال سے تعلیم مت حاصل کرنا کہ پڑھ لکھ کر نوکری یا غلامی کروگے اس لئے کہ اس خیال سے جو کوئی پڑھتا ہے اس کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ ڈگری یا سند حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے تاکہ اسے آسانی سے نوکری مل جائے۔

ملکۂ نور جہاں اور شہنشاہ جہانگیر

(از)

پیارے لال شاکر میرٹھی

(۱)

ساون کا مہینہ ہے۔ ہر طرف سبزی ہی سبزی نظر آرہی ہے۔ عروس فطرت زنانی لباس میں اندر کے اکھاڑے کی سبز پری معلوم ہو رہی ہے۔ دریائے جمنا رفتار مستانہ کے ساتھ لال قلعہ دہلی کو چھیڑتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ ایک طرف کوئل آم کے گھنے باغ میں چھپتارے درخت پر بیٹھی ہوئی اپنی مستانہ صدا کی شراب کا ساغر لنڈھا رہی ہے اور دوسری طرف گلاب کی کیاریوں میں مور

اپنے رقص کا ہوشربا تماشا دکھا رہا ہے۔
شاہی باغ کا مالی باغ کے حسن و بہار کو دیکھ کر دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا ہے اس وقت اگر شہنشاہ جہانگیر سیر کو آجائیں اور باغ کا یہ سماں دیکھ لیں تو آج انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں۔

(۲)

شہنشاہ دہلی جہانگیر اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے لباس تبدیل کئے ہوئے دہلی کے گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں۔ لیکن کسی کو خبر نہیں کہ آپ شہنشاہ دہلی ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر گشت کرتے ہوئے جا بجا لوگوں سے پوچھتے جاتے ہیں کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے لوگ کہتے ہیں کہ جب شہنشاہ دہلی کی عدالت میں انصاف کی میزان کھڑی ہے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کیا جاتا

ہے تو ایسے معدلت گستر شہنشاہ کے عہد حکومت میں تکلیف کیسی۔ جب بادشاہ نے رعایا میں گشت کرکے اپنا اطمینان کر لیا کہ لوگ امن و عافیت سے ہیں تو آپ قلعہ معلیٰ کو واپس ہوئے۔

(۳)

جہانگیر کو اپنی ملکہ نورجہاں سے کمالِ الفت تھی۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر نے ایک پیالہ شراب پر سلطنت کو نورجہاں کے ہاتھ بیچ کر دیا نورجہاں بھی بادشاہ پر دل و جان سے فدا تھی غرض دونوں میں باہم ایسی محبت تھی کہ اس زمانہ میں میاں بیوی کی محبت کے لئے جہانگیر اور نورجہاں کی مثال دی جاتی تھی۔

جہانگیر جو ایک منٹ کے لئے نور جہاں سے جدا ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ کئی گھنٹے نور جہاں سے علیٰحدہ رہے، اس لئے قلعہ میں داخل ہوتے ہی بیتابانہ

سیدھے زنانخانہ میں نورجہاں کے محل میں گئے۔ دیکھا کہ نورجہاں جمنا میں چاند لگا کر اُس سے نشانہ بازی کر رہی ہیں۔ جہانگیر یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نورجہاں نے آہٹ پاکر پیچھے دیکھا تو بادشاہ کھڑے ہیں یہ دونوں ایک دوسرے کے جانب شوق سے بڑھے اور ہم آغوش ہوئے۔

جہانگیر نے نورجہاں کے بندوق چلانے کے مذاق پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ مگر ساتھ ہی ہدایت کی کہ دیکھو ہمیشہ احتیاط سے کام لینا کہیں غفلت میں کوئی بے گناہ تمہاری گولی کا شکار نہ ہو جائے۔

(۴)

افتتاح عدالت کا گھنٹہ بجا۔ داد خواہوں کی کثرت سے عدالت بھر گئی۔ مقدمات فیصل ہونے لگے۔ بادشاہ جس کو ملزم قرار دیتے اور جس کے خلاف فیصلہ صادر فرمانا چاہتے اس سے میزان عدل کی طرف اشارہ کرتے

اور ملزم سے دریافت فرماتے کہ تم کو اعتبار ہے وہ
کہتا جہاں پناہ ضرور اعتبار ہے، جو فیصلہ ہوگا حق اور
منصفانہ ہوگا۔ جہاں پناہ کی عدالت میں ہمیشہ انصاف
ہوتا ہے۔ اس پر رعایا کو کامل اعتبار ہے۔
بہت سے مقدمات فیصل ہو چکنے کے بعد ایک دھوبن
نے اپنا مقدمہ اس طرح پیش کیا جہاں پناہ جمنا کے اس
پار جہاں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں یکایک اُن کے
گولی لگی اور وہ اُسی وقت مر گئے۔ جہاں پناہ میں ایک
لاوارث بیوہ ہوں۔ شوہر کے سوا سسرال اور میکے
میں میرا کوئی نہ تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد میرا دنیا میں
کوئی نہیں۔ میں کس کے بھروسے جیوں گی اور مصیبت
کے دن کیونکر کاٹوں گی۔ اگر وہ جیتے رہتے اور مجھے
گولی لگ جاتی تو میری نجات ہو جاتی، اور مجھے اس
مصیبت میں مبتلا نہ ہونا پڑتا۔ میرا دماغ بے قابو ہے
میرے حواس بجا نہیں۔ دل بیٹھا جاتا ہے، کلیجہ کے

ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ مجھے اس مصیبت کے گہرے
کنویں سے نکلنے کی تدبیر نظر نہیں آتی۔ جہاں پناہ
دریافت فرمائیں کہ مجھ پر یہ مصیبت کا پہاڑ کس نے
ڈھایا ہے۔ اتنا میں جانتی ہوں کہ گولی حضور کے قلعہ سے
آئی تھی۔ لیکن اس کی خبر نہیں کہ وہ گولی کس نے چلائی

(۵)

قلعہ کا نام سن کر عدالت میں سناٹا چھا گیا جہانگیر
کی معدلت گستری سب پر عیاں تھی سب سمجھ گئے کہ قلعہ
سے گولی چلی ہے، تو یہ گولی شاہی متعلقین ہی میں سے
کسی کی ہوگی دیکھئے دھوبی کا خون کیا رنگ لاتا ہے۔
نورجہاں بادشاہ کے قریب بیٹھی دھوبن کا بیان
سن رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو دھوبن کا شوہر
میری ہی گولی کا شکار بنا ہے لوگوں کا خیال تھا کہ
اول تو یہ گولی ضروری نہیں کہ نورجہاں کی چلائی ہوئی
ہو دوسرے اگر انہیں کی گولی ہوگی تو وہ اس کو قبول

نہ کریں گی بادشاہ بھی ملکہ کا خیال کریں گے اور اپنی جان سے عزیز ملکہ کے خلاف مقدمہ نہ فیصل کریں گے۔

بادشاہ کے سُرخ چہرہ پر فکر و تردد کی سیاہی چھا گئی بادشاہ کے چہرہ کا تغیر دیکھ کر لوگ بھی وحشت زدہ ہو گئے اور بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں بادشاہ کیا کہتے ہیں۔ بادشاہ نے پہلے تو دھوبن کو تسکین دی۔ اس کے بعد نور جہاں سے مخاطب ہو کر کہا

بادشاہ۔ کیا تمہاری ہی گولی سے یہ آدمی مرا ہے۔

ملکہ۔ ممکن ہے۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

بادشاہ۔ پھر اس کی سزا۔

ملکہ۔ جو مناسب ہو۔

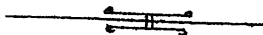
بادشاہ۔ قصور کے موافق سزا ہونی چاہئے۔

ملکہ۔ بجا ہے۔

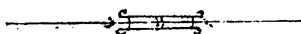
شہنشاہ جہانگیر نے دھوبن سے مخاطب ہو کر کہا دھوبن نور جہاں نے تم کو بیوہ کیا ہے۔ یہ چمکتی ہوئی

تلوار سامنے ہے اسے لو اور تم بھی نورجہاں کے شوہر (جہانگیر) کی گردن مار کر نورجہاں کو بیوہ بنا دو۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ دھوبن قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی میرے سرکار میں نے سب بھر پا یا۔ میں معاف کرتی ہوں۔

محلات میں شادیانے بجے اور دھوبن مالا مال کر دی گئی۔



کینیوٹ شاہ انگلستان



کینیوٹ بادشاہ ڈنمارک اور سویڈن نے ۱۰۱۷ء میں انگلستان پر حملہ کیا۔ اور اپنے رقیب اڈمنڈ کو شکست دیکر تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ بہت زبردست تھا۔ لیکن بڑا انصاف پسند اور خوشامدیوں کا دشمن بادشاہ تھا۔ اس لئے عوام اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ نونہالان وطن کی ضیافت طبع کے لئے اس کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ ڈراما کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

بادشاہ کی خدمت میں اوسولڈ۔ اوفا اور دیگر درباری۔ حاضر ہیں۔

مقام۔ ساد تھیپٹن ہے یہ انگلستان کا دریا ہے دریا کی لہریں بڑے زور شور سے مد و جزر پیدا کر رہی ہیں

کینیوٹ۔ میرے دوستو کیا تم سچ مچ اس بات کو مانتے ہو کہ میں دنیا بھر میں سب سے زبردست بادشاہ ہوں۔

اوفا۔ میرے آقا بیشک حضور دنیا میں نہایت طاقتور شہنشاہ ہیں۔

اوسولڈ۔ ہم سب حضور کے غلام ہیں اور حضور کے قدموں کی خاک کو تک بوسہ دیتے ہیں۔

اوفا۔ صرف ہم آپ کے غلام نہیں بلکہ روئے زمین کی تمام اشیاء آپ کے تابع ہیں۔ زمین ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک آپ کی ہے اور سمندر آپ کے حکم کو ہر وقت مانتا ہے۔

کینیوٹ۔ کیا خوفناک سمندر جس میں ہر وقت تلاطم رہتا ہے میرا حکم مان لے گا۔ کیا میرا فرمان

سنتے ہی اس کی سطح پر سکون طاری ہو جائے گا
اوفا۔ ہاں خداوند سمندر صرف اس لئے بنا تھا کہ حضور کے جہازوں کو تیراتا پھرے اور تمام دنیا کے خزانے آپ کے قدموں پر اُگل دے یہ آپ کے دشمنوں کو آناً فاناً تباہ وبرباد کر دیتا ہے لیکن یہ آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے۔
کینیوٹ۔ لہریں بہت خوفناک طریقہ سے اٹھ رہی ہیں
اوسولڈ۔ واقعی میرے آقا دیکھئے نا پانی کس طرح اُبل رہا ہے۔
کینیوٹ۔ میں یہاں ریت پر بیٹھنا چاہتا ہوں ایک کرسی اٹھالو۔
اوفا۔ کیا حضور کی مرضی ہے۔ کہ لہروں کے قریب کرسی بچھائی جائے۔
کینیوٹ۔ ٹھیک اسی جگہ۔
اوسولڈ۔ (ایک طرف منھ پھیر کر) میں حیران ہوں

کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

اوفا۔ (دوسری طرف منھ پھیر کر) بادشاہ اتنا بیوقوف نہیں کہ وہ ہماری تمام باتوں کا یقین کرے

کینیوٹ۔ اے زبردست سمندر تو میری رعایا ہے تجھے میرا حکم فوراً ماننا پڑے گا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ واپس چلا جا۔ ورنہ میں تیری ہستی کو فنا کردوں گا دیکھ خبردار میرے پاؤں بھیگنے نہ پائیں۔

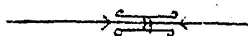
اوسولڈ۔ (ایک طرف) بھلا سمندر بھی کسی کا کہنا مان سکتا ہے۔

اوفا۔ دیکھو لہریں کس قدر جلد ہماری طرف آرہی ہیں

اوسولڈ۔ دوسری لہر کرسی سے ٹکرائے گی یہاں کھڑا رہنا بالکل حماقت ہے۔ ہمارے کپڑے خراب ہو جائینگے

کینیوٹ۔ دیکھنا سمندر میری رعایا ہونے کے باوجود میرا حکم نہیں مانتا۔ یہ تو بغاوت پر آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ آہ میرے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ بے حیا انسانوں

کیا میں تمھارا اعتبار کر سکتا ہوں۔ میں تمھارے دھوکے میں نہیں آسکتا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف ایک ہی ایسی طاقت ہے۔ جو سمندر پر اپنا اثر رکھتی ہے۔ وہ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ شہنشاہوں کا شہنشاہ اور آقاؤں کا آقا ہے۔ یہ اسی کی طاقت ہے کہ سمندر کو حکم دے بادشاہ صرف ایک انسان ہے اور انسان کی حقیقت خاک ہے۔ میرے تاج کو میری نظروں سے دور کر دو۔ میں اسے آئندہ کبھی نہیں پہنوں گا۔



بہادر پرتگالی

از

عباس حسین صاحب درجہ ہفتم جامعہ

ہمارے ملک ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارت آج سے نہیں ہزاروں برس پہلے سے ہوتی ہے۔ مگر پہلے تجارت کا مال ہمارے یہاں سے خشکی کے راستے سے اونٹوں پر لد کر جاتا تھا اس کی وجہ سے مال لانے اور لے جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی، ایک تو یہ کہ جن ملکوں سے تجارت کے قافلے گذرتے تھے وہاں اُن سے چنگی لی جاتی تھی دوسرے چوروں اور ڈاکوؤں کا ہر وقت ڈر رہتا تھا، اِسی لئے یورپ والے بہت دنوں سے

اس فکر میں تھے کہ کسی سمندر کا راستہ معلوم کیا جائے، مگر انہیں کامیابی نہ ہوتی تھی، آخر پرتگالی کے یک شخص واسکوڈی گاما نے آج سے کوئی ساڑھے چار سو برس پہلے اس مشکل کو حل کیا، آج ہم تمھیں، واسکوڈی گاما کا قصہ سناتے ہیں کہ کس طرح اس نے یہ راستہ معلوم کیا اور ایسے شخص کی زبانی سناتے ہیں۔ جو اس سفر میں اس کے ساتھ تھا وہ لکھتا ہے۔

ہم لوگ ۷ جولائی ۱۴۹۷ء کو ہندوستان کے سمندری راستہ معلوم کرنے کے لئے چار جہازوں پر سوار ہوئے، اس وقت ہم اپنے دلوں میں سوچ رہے تھے کہ کیا عجب ہے کہ ہم ہندوستان کا راستہ معلوم کریں اور دنیا میں مشہور ہو جائیں۔

ہم آفریقہ کے کنارے دکھن کی طرف روانہ ہوئے اور بہت دور نکل گئے، یہاں تک کہ اس امید پر

بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے پہنچ گئے، اس وقت
ہوا ہمارے خلاف چل رہی تھی، سمندر میں بہت
طوفان تھا، ہم اپنے جہاز ہوا کے خلاف آگے نہیں
لیجا سکتے تھے لیکن ہمیں راس کے دوسری طرف جانا
ضروری تھا ہمارے سردار واسکوڈی گاما نے حکم دیا
کہ ہوا سے بچ کر سمندر میں بہت دور تک چلے جانا، اور
پھر واپس آنا چاہیئے ہم نے ایسا ہی کیا، لوٹتے وقت
ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے راس کو ابھی تک پار نہیں کیا
ہے لیکن کچھ فاصلہ ہم نے ضرور طے کر لیا تھا، دوسری
دفعہ بھی پوری کامیابی نہ ہوئی، ہاں تیسری بار جب ہم
لوٹے تو معلوم ہوا کہ ہم بالکل ساکن پانی میں ہیں۔
دور تک خشکی بھی نظر نہ آئی تب ہمیں یقین ہوا کہ ہم
نے راس کا پورا چکر لگا لیا ہے ہم یورپ کے پہلے آدمی
تھے جنہوں نے سمندر کے اس حصّے میں جہاز چلایا تھا۔
اب شام ہو گئی تھی اور ہمیں خشکی نظر نہ آتی تھی،

طوفانی سمندر نے ہمارے جہازوں کو بری طرح توڑ دیا تھا، ایک جہاز کی حالت تو اس قدر خراب تھی کہ اسے چلانا دشوار تھا، آخر واسکو نے حکم دیا کہ ایک رات کے واسطے جہاز روک دئے جائیں، جہازوں کیساتھ ساتھ ہمارے آدمیوں کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی، پانی ختم ہو رہا تھا، اور کھانا بھی کافی نہ تھا، لیکن یہ معلوم تھا کہ ساحل زیادہ دور نہیں ہے، صبح کو ہم ساحل کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ کھانا حاصل کرسکیں اور کوئی خلیج مل جائے تو اس میں اپنے جہاز ٹھہرا کر انکی مرمت کرسکیں، کچھ دور چلنے پر پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں اور قریب آئے تو معلوم ہوا کہ کنارا پتھریلا ہے اور اس میں چھوٹی چھوٹی کھاڑیاں بھی ہیں، ان کھاڑیوں میں بہت سی ندیاں آکر گرتی تھیں، یہاں ہم نے کچھ مچھلیاں پکڑیں لیکن ان مچھلیوں کے کھانے سے ہمارے کچھ ساتھی بیمار ہو گئے۔

ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہاں کوئی آبادی بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے آدمی اسی تلاش میں بہت دور نکل گئے۔ مگر کوئی گاؤں ملا نہ آدمی نظر آیا۔ ہم لوگوں نے اپنا بہت سا وقت گاؤں ڈھونڈنے میں کھو دیا۔

اتنے میں گرمی ختم ہوگئی اور خراب موسم آگیا۔ سمندر میں بڑی بڑی لہریں پیدا ہوگئیں جن سے جہاز ڈگمگانے لگے اور ہمیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ ڈوب نہ جائیں۔ لہروں کی ٹکر سے قریب قریب تمام جہاز ٹوٹ گئے تھے۔

جب اچھا موسم آیا تو ہم نے واسکوڈی گاما سے واپس لوٹنے کی درخواست کی لیکن واسکو نے سب کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور ہم آگے بڑھے اور ایک کھاڑی آئے تاکہ جہازوں کے لئے ضروری سامان خریدا جائے ایک دریا اس خلیج میں آکر گرتا تھا۔ اور اس

دریا کے کنارے دور تک بہت سے گاؤں آباد تھے، گاؤں کے رہنے والے بہت کالے تھے، ہمارے جہازوں پر بہت سے آئینے تھے، جب یہاں کے کچھ آدمی ہمارے جہازوں پر آئے تو انہیں وہ آئینے دکھائے گئے انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے کہ اس سے پہلے انہوں نے کوئی ایسی عجیب و غریب چیز نہیں دیکھی تھی۔

ہم نے ایسے جہازوں کی مرمت شروع کی، ایک جہاز بالکل خراب ہو گیا تھا، اسے جلا دیا گیا، اور اس جہاز کے آدمی تین جہازوں میں تقسیم کر دئے گئے ان کاموں سے فارغ ہو کر ہم آگے بڑھے اور ایک مقام پر پہنچے جس کا نام موزمبیق ہے۔ (Mozambeeq) وہاں کے راجہ سے ہم نے ایک نوکر کے لئے درخواست کی جو ہمیں راستہ بتائے، نوکر تو ہمیں مل گیا، لیکن ہمارے کپتان نے اس پر بھروسہ نہ کیا، کچھ راستہ طے کرنے کے بعد چٹانیں نظر

آئیں اور وہ آدمی ان ہی چٹانوں کے پاس جہازوں
کو لے جانے لگا، ہمارے کپتان نے یہ دیکھ کر اسے
قید کر دیا اس آدمی نے آخر میں بتایا کہ اس کے راجہ
کا حکم تھا کہ ان جہازوں کو چٹانوں کے پاس لے جاکر
غرق کر دو۔ جب یہ جہاز تباہ ہو جائیں گے تو ہم ان
کا سارا مال قبضے میں کرلیں گے۔
اس کے بعد ایک اور جگہ آئے جس کا نام میلینڈا
تھا (Maeraenda) یہاں پر ہم نے ایک آدمی ساتھ
لیا، یہ آدمی بہروسے کا تھا، میلینڈا سے ہم برابر بائیس
دن تک سفر کرتے رہے بائیس دن تک ہمیں خشکی
نظر نہ آئی ۲۸ مئی ۱۴۹۸ء کو کالی کٹ کے ساحل
پر اترے، کالی کٹ کے راجہ کی طرف سے ایک آدمی
ہمارے پاس آیا اور ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو اور
کہاں سے آئے ہو ہمارے کپتان نے جواب دیا، ہم لوگ
عیسائی ہیں اور مسالہ کی تجارت کے لئے آئے ہیں، کپتان

نے تحفے کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں سُرخ کپڑے
سے ڈھکی ہوئی ایک پیلی کرسی، بہت سی سُرخ ٹوپیاں
اور عُمدہ قسم کے آئینے پیش کئے ساتھ ہی بادشاہ سے
درخواست کی کہ اپنے ملک سے تجارت کی اجازت دے
بادشاہ نے اپنی مہربانی سے یہ درخواست منظور کرلی
اب واسکو نے یہاں سے چیزیں خریدنا شروع
کیں وہ چیزوں کا بھاؤ تو جانتا نہ تھا اس لئے اس
نے چیزوں کی جو قیمت اس کی سمجھ میں آئی بس
وہی دی اس بات پر بہت سے تاجر اس سے ناراض
ہوگئے۔ اور راجہ سے شکایت کردی راجہ ان کے کہنے
میں آگیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ فوراً اس
شخص (واسکو) کو گرفتار کرلیا جائے، مگر واسکو کو کسی
طرح اس کی خبر مل گئی، وہ فوراً اپنے جہاز پر واپس
آگیا، اور اسی وقت چل کھڑا ہوا، واسکو نے راجہ
کے ناراض ہونے سے پہلے ہی ایک خط یا سرٹیفکٹ

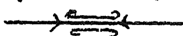
یورپ والوں کے نام لکھوا لیا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ واسکو ایک شریف انسان ہے جو میرے ملک میں آیا، میں اس سے بہت خوش ہوا میرے ملک میں (۱) ادرک (۲) مرچ (۳) دارچینی (۴) لہسن اور دوسرے قیمتی جواہرات ہیں، ہم انہیں آپ کے یہاں کے سونے، چاندی، مونگے اور دوسری عمدہ چیزوں سے تبدل کر لوں گا۔"

ستمبر ۱۴۹۹ء میں واسکو لزبن دار الخلافہ پرتگال پہنچا، ۱۷۰ آدمیوں میں سے جو چار جہازوں میں اس کے ساتھ گئے تھے صرف ۵۵ آدمی اور دو جہاز لوٹ کر آئے انہوں نے مشرق کی راہ معلوم کر لی تھی، جس کے واسطے سینکڑوں برس یورپ نے کوشش کی، اور جس کے لئے کولمبس بھی روانہ ہوا تھا، اور بھٹک کر امریکہ جا پہونچا تھا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

(از)

جناب رفیق گورداسپوری



مدت ہوئی ملک جرمنی میں اسمتھ نامی ایک کروڑپتی سوداگر تھا۔ اس نے اپنی تجارت کا جال دور دراز ملکوں میں پھیلا رکھا تھا۔ وہ اپنے ملک کا سامان دوسرے ملکوں میں اور دوسرے ملک کا سامان اپنے ملک میں فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کا کاروبار بڑے زوروں پر تھا۔ سال میں دو دفعہ وہ اپنے خوبصورت جہاز پر سفر بھی کیا کرتا تھا۔ جرمنی کے ایک دوسرے سوداگر رابرٹ نے دیکھا کہ سمتھ نے اس تجارت میں خوب ہاتھ

رنگے ہیں تو لالچ نے اُسے بھی گدگدایا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اس تجارت میں اسمتھ کا شریک ہوکر دوسرے ملکوں میں جائے اور کسی حیلہ سے راستے ہی میں اسمتھ کا کام تمام کرکے اس کا کاروبار خود سنبھال لے۔ رابرٹ کسی نہ کسی طرح اسمتھ کا حصہ دار بن گیا۔

سمندر کے سفر کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں اور جہاز لدا پھندا کھڑا تھا۔ رابرٹ اور اسمتھ اپنا تمام سازوسامان ٹھیک کرچکے تھے۔ غرض ہر چیز کیل کانٹے سے درست تھی۔ صرف اس بات کا انتظار تھا کہ ہوا کا رُخ موافق ہو تو سفر کی بسم اللہ کی جائے۔ خدا خدا کرکے ہوا کا رخ بدلا۔ دونوں سوار ہوئے جہاز لنگر اٹھا کر آہستہ آہستہ ساحل سے ہٹنے لگا اور خشکی کے نظارے آنکھوں سے اوجھل ہونے لگے۔

موسم اچھا تھا اور ہوا موافق، اس سے سفر بخیر وخوبی ختم کرکے جہاز منزل مقصود پر لنگر انداز ہوگیا۔ دونوں حصہ داروں نے کوشش کرکے اپنا مال تقریباً دگنے نفع پر فروخت کردیا۔ اور کچھ دنوں میں آرام کرنے کے بعد اپنے ملک کے لئے سامان لاد کر پھر واپسی کے لئے تیار ہوگئے۔ رابرٹ نے دیکھا کہ اس وقت جہاز پر ہزاروں روپئے کا مال لدا ہوا ہے اور ہزاروں روپئے نقد موجود ہیں۔ اگر کسی طرح اسمتھ کا کام تمام ہوجائے تو وہ لاکھوں کا مالک ہوسکتا ہے،

جہاز جرمنی کی طرف روانہ ہوا اور رابرٹ نے ایسی تدبیر سوچنی شروع کی جس سے اسمتھ کو بھی دور کرسکے اور کسی قسم کا نقصان بھی نہ ہو۔ اس نے جہاز کے کپتان کو بھی اپنے ساتھ گانٹھ لیا کہ جہاز کو کسی بھنور کے نزدیک لے جاکر اسمتھ کو خاموشی سے سمندر میں پھینک دیں اور مشہور کردیں کہ اسمتھ جہاز پر کھڑا سمندر کا نظارہ

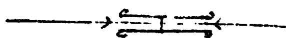
کر رہا تھا کہ جہاز کے بھنور میں پھنسنے سے جھٹکا جو لگا تو اسمتھ سمندر میں گر پڑا۔

یہ صلاحیں پختہ ہو چکی تھیں۔ اب صرف اس بات کا انتظار تھا کہ بھنور کے نزدیک پہنچ کر کسی طرح اسمتھ کو باتوں میں لگا کر جہاز کے کنارے تک لے جائیں اور سمندر میں پھینک دیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ رابرٹ کچھ سوچ کر اسمتھ کے پاس پہنچا اور کہا کہ آؤ اسمتھ سمندر کا دلکش نظارہ دیکھیں۔ اسمتھ اس کے مکر و فریب سے واقف نہ تھا۔ غریب اس کے جھانسے میں آگیا اور دونوں جہاز کی ایک تنہا جگہ پر کھڑے ہو کر سمندر کی بہار دیکھنے لگے۔

دونوں جہاز کے عین کنارے پر کھڑے تھے کہ یک لخت زور کا ایک جھٹکا لگا۔ بے خبر اسمتھ اور اس کے ساتھی بدمعاش رابرٹ کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور دونوں بھنور میں جا گرے کپتان نے رابرٹ کے لئے رسی کی سیڑھی سمندر میں پھینکی تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی

جان بچا سکے۔ مگر خدا کی قدرت کہ سیڑھی کا ایک سرا اسمتھ کے ہاتھ آگیا اور وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ کپتان کو معلوم ہوا تو اس نے بہت دانت پیسے اور رابرٹ کے لئے دوبارہ سیڑھی پھینکی۔ مگر رابرٹ بدمعاش رابرٹ محسن کش رابرٹ ایک گرمچھ کا لقمہ بن چکا تھا۔

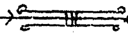
نونہالو اور وطن کی آیندہ امید و تم نے دیکھا بدی کا بدلا۔ بے شک خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے جس طرح کانٹے بوکر پھولوں کی امید رکھنا جہالت ہے اسی طرح بدی کرکے نیکی کی امید رکھنا بیوقوفی ہے یاد رکھو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔



پتا کی جاں بازی

از

جناب دیوی دت شکل



اکبر ہندوستان کا بہت مشہور اور نامور بادشاہ تھا۔ دہلی اس کا پایۂ تخت تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے تمام ہندوستان کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کی۔ کسی کو زرو مال کا لالچ دیا۔ کسی کو مرتبہ و اختیار کا، اور جہاں ان سے کام نکلتا نہیں دیکھا سختی اور دباؤ سے کام لیا۔ رفتہ رفتہ شمالی ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ اس کے قابو میں آگئے لیکن چتوڑ کے مہارانا نے اکبر کی اطاعت قبول نہیں کی۔ چتوڑ کے مہارانا اور اس کے سرداروں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب

تک ایک بھی راجپوت زندہ ہے اس وقت تک نہ ہم کسی مغل بادشاہ کی اطاعت کریں گے، نہ کسی کو اپنے قلعہ میں داخل ہونے دیں گے۔

چتوڑ کے راجپوت اپنی بہادری کے لئے مشہور تھے۔ کیا مرد اور کیا عورت، سب اپنے مذہب اور اپنی آن پر مرمٹنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انہیں اپنی مادر وطن کی ذلت گوارا نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اکبر نے بہت کوشش کی مگر رانا چتوڑ کو وہ اپنے بس میں نہ کر سکا۔

جن بہادر راجپوتوں نے چتوڑ کی آن قائم رکھی ان میں سے ایک بہادر کا تھوڑا حال ہم یہاں لکھتے ہیں۔ اس بہادر راجپوت کا نام پتا تھا۔ اس کے گھر میں اس کی ماں، بہن اور بیوی، تین عورتیں تھیں اس کی ماں کا نام کرم دیوی تھا۔ وہ بڑی بہادر اور اپنے وطن سے محبت کرنے والی عورت تھی۔

اپنے بیٹے کو وہ ہمیشہ یہی تعلیم دیتی تھی کہ انسان کا سب سے بڑا اور پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے وطن کے کام آئے۔

ایک دفعہ اکبر نے چتوڑ پر چڑھائی کی۔ مہارانا نے اپنے سب سرداروں کو قلعہ کی حفاظت کے لیئے طلب کیا۔ لیکن کسی وجہ سے پتا کو خبر نہ بھیج سکا۔ پتا کو اس کا بہت ملال ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ مہارانا نے جان بوجھ کر مجھے ذلیل کیا ہے۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اب میں بھی اس لڑائی میں کوئی حصّہ نہیں لوں گا۔

ماں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے پتا کو سمجھایا تم کس خیال میں ہو بیٹا، چتوڑ کا مالک صرف مہارانا ہی تو نہیں ہے۔ چتوڑ تمہارا بھی وطن ہے۔ اگر تمہارا وطن مغلوں کے ہاتھ میں چلا گیا اور تم نے اس کو بچانیکی کوشش نہیں کی، تو یہ

تمہارے لیئے ڈوب مرنے کی جگہ ہو گی۔ اگلی پشتیں جب راجپوت بہادروں کے گن گائیں گی تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہیں گی کہ پتا کپوت تھا کہ اس نے مادر وطن کو تکلیف میں دیکھا لیکن اس کی مدد کو نہیں آیا، بلکہ منہ چھپائے گھر میں پڑا رہا۔

اب کیا تھا، پتا جوش میں بھر گیا۔ اس نے گھوڑے پر کاٹھی رکھی اور سوار ہو کر فوراً قلعہ کی راہ لی۔ قلعہ کو مغل سپاہیوں نے گھیرا رکھا تھا۔ آنے جانے کے تمام راستے بند تھے۔ لیکن پتا کو ان باتوں کی پروانہ تھی۔ وہ سپاہیوں کی قطاروں کو چیرتا پھاڑتا قلعہ کے اندر جا پہنچا۔

کئی روز تک بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی پتا کی بہادری اور جاں بازی دیکھ کر راجپوت بہت خوش ہوئے۔ آخر میں مہارانا نے پتا کو ایک دستہ فوج کی کمان مرحمت فرما کر اس کو قلعہ کے آفتابی دروازے

پر تعینات کیا۔

مغل فوج نے کئی جگہ مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ایک جگہ اس کا خاص زور تھا۔ یہاں فوج کی جمعیت اور دیگر ساز و سامان دوسری جگہوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔ پتا نے ایک ہزار سپاہی اپنے ساتھ لیکر اسی حصّہ پر حملہ کر دیا۔ اس کا حملہ اتنا خوفناک تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگے۔

پتا برابر آگے کی طرف بڑھتا گیا۔ اکبر بہت گھبرایا اس نے عقبی فوج میں سے پانچ ہزار سپاہیوں کو اور طلب کیا اور چاروں طرف سے پتا کو گھیر لیا۔ مگر پتا بدستور اپنی جگہ اڑا رہا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر ایک دفعہ پھر ہلہ بول دیا۔

ادھر اکبر بھی اپنے دستہ فوج کو لے کر پتا کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یکایک کسی طرف سے تین تیر آئے اور اکبر کے تین سپاہی زخمی ہو کر گر پڑے۔ اکبر نے

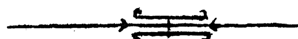
اُدھر دیکھا مگر کوئی سامنے نظر نہ آیا۔ کچھ دیر کے وقفہ کے بعد وہ لوگ آگے بڑھے ہی تھے کہ پھر تین تیر آئے اور اس دفعہ بھی تین آدمی نشانہ ہو گئے۔ اکبر بہت فکر مند ہوا۔ کچھ پتہ نہیں لگتا تھا کہ تیر کون مار رہا ہے۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں آخر میں ایک درخت کی آڑ میں ایک گھوڑا نظر آیا۔ گھوڑے کا سوار کوئی مرد نہ تھا بلکہ عورتیں تھیں۔

اکبر نے اپنے آدمی دوڑائے کہ عورتوں کو زندہ گرفتار کر کے لائیں۔ لیکن راجپوت عورتوں کو زندہ گرفتار کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کچھ دیر تک تینوں عورتیں مغل سپاہیوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ آخر یکے بعد دیگرے زمین پر آرہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے اپنا نام یادگار چھوڑ گئیں۔

جانتے ہو، یہ تین عورتیں کون تھیں یہ تھیں پتا کی ماں، بہن، اور بیوی پتا بھی مغل فوج کو چیرتا ہوا وہاں

پہنچا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر اپنی ماں کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ سو وہ ابھی تک زندہ تھی۔ بیٹے کی آواز سنتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اس نے کہا بیٹا یہاں تم کیا کر رہے ہو دیکھو، دشمن کی فوج سامنے ہے۔ جاکر اس کا صفایا کرو۔ اتنا کہتے کہتے کرم دیوی نے ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

پتا اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور سرپٹ دوڑا کر میدان جنگ میں پہنچا۔ اس لڑائی میں اس نے مغل فوج کے بہت سے آدمیوں کو مارا اور خود بھی اسی میں مر گیا۔



راجہ مایاداس

از

مسٹر مہیشور داس کھنّا

کسی زمانہ میں ہندوستان کے ایک شہر میں ایک راجہ رہتا تھا۔ اُس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ جس کو وہ ایک تہ خانہ میں رکھتا تھا۔ وہ ہر روز صبح اُٹھ کر تہ خانہ میں جاتا اور ہیرے جواہرات کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ گھنٹوں تہ خانہ میں رہتا، پھر قفل لگا کر باہر آجاتا تھا۔

ایک دن جب وہ ہیرے جواہرات اور دوسری بیش قیمت چیزوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا تو دولت کا فرشتہ ظاہر ہوا، اور راجہ سے کہا کہ میں تم سے بہت

خوش ہوں۔ جو کچھ چاہتے ہو مانگ لو۔

راجہ کہنے لگا مہاراج، وہ پہاڑ جو سامنے دکھائی دیتا ہے۔ اگر سونا بن جائے تو میں مزے سے زندگی بسر کر سکوں گا۔

فرشتے نے کہا ایسا ہی ہو گا۔ فرشتہ کا یہ کہنا تھا کہ پہاڑ سونے کا بن گیا۔ درخت، گھاس پتھر چٹانیں سب سونے کی ہو گئیں۔

راجہ مایا داس یہ دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا لیکن لالچ کا بھوت سر پر ابھی تک سوار تھا۔ سوچنے لگا اگر یہ سونے کا پہاڑ بھی ختم ہو گیا تو کیا کروں گا۔ ہو نہ ہو کچھ اور مانگ لینا چاہئے۔ چنانچہ فرشتہ کے آگے پھر ہاتھ جوڑ کہنے لگا۔ مہاراج مہربانی کرکے مجھے ایسی طاقت دیجئے کہ میں جس چیز کو ہاتھ لگاؤں وہ سونے کی ہو جائے۔ فرشتے نے منظور کیا۔ راجہ شکریہ بھی ادا نہ کرنے پایا تھا کہ فرشتہ غائب ہو گیا۔

راجہ کچھ دیر تہ خانہ میں ٹھہر کر باہر آیا اور محل کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ باغ میں سے ہو کر گذرتا تھا ایک خوبصورت گلاب کے پھول کو دیکھ توڑنے کی خواہش ہوئی۔ پھول کو ہاتھ سے چھوا ہی تھا کہ سارا پودا سونے کا بن گیا۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ اسی طرح باغ کے سارے درختوں اور پودوں کو سونے کا بنا لیا۔ محل میں پہنچا تو راجہ کی چھوٹی لڑکی دوڑتی ہوئی آکر راجہ سے لپٹ گئی۔ راجہ اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ لیکن دیکھتا کیا ہے کہ اس کی گود میں سونے کی ایک خوبصورت گڑیا ہے۔ وہ حیران ہوگیا کہ لڑکی کیا ہوئی۔ آخر فرشتہ کی بات یاد آئی۔ راجہ بہت گھبرایا۔ لیکن کرتا کیا۔

اتنی دیر میں کھانا کھانے کا وقت ہوگیا دسترخوان پر بیٹھا۔ روٹی اٹھائی تو روٹی سونے کی بن گئی۔ دال بھاجی کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی سونے کی ہو گئی۔ پانی کا گلاس ہاتھ لگتے ہی سونا ہوگیا۔ کھانا تو کیا کھاتا

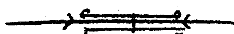
پیتا، وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتا وہی سونا بن جاتی ۔ راجہ کے ہوش اُڑ گئے ۔ ہر طرف سونا ہی سونا تھا۔ لیکن کس کام کا پیٹ کی آگ تو سونے سے نہیں بجھ سکتی تھی بہت گھبرایا اور اپنے آپ کو نفرین کرنے لگا۔ وہ بہت رویا چلایا، سر پیٹا لیکن کچھ نہ بنا۔ اسی طرح دو دن گذر گئے۔ منھ میں پانی کا ایک گھونٹ تک نہ گیا تھا دولت کے فرشتے کو یاد کیا۔ فرشتہ فوراً ظاہر ہوا۔ راجہ سے پوچھا اب کیا چاہیئے راجہ نے کہا مہاراج، میں اس طاقت سے باز آیا مجھے معاف کیجئے اور اپنی دی ہوئی طاقت واپس لے لیجئے تاکہ میں آرام سے زندگی بسر کرسکوں۔

فرشتہ نے کہا یہ سب تمہارے لالچ کا پھل ہے آیندہ ایسا لالچ نہ کرنا جو کچھ پرماتما نے دیا ہے اس میں شکر کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

فرشتہ کے غائب ہو جانے کے بعد تمام چیزیں جو

سونے کی بن گئی تھیں پھر اپنی اصلی حالت پر آگئیں لڑکی بھی زندہ ہو گئی، اور راجہ مایا داس خوشی سے زندگی کے دن گزارنے لگا۔

پس بچے سمجھ گئے ہوں گے کہ لالچ کرنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔



جاں نثاری

از

جناب مظہر الحق صاحب

(نپولین ایسی باتوں سے ڈرنے کا نہیں)

اس نے خود سے کہا۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد اس نے اپنے ایک معتمد افسر کو بلایا اور ایک خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ یہ خط نپولین بونا پارٹ کو اس کے دشمنوں کی طرف سے لکھا گیا تھا۔ جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی۔ کہ وہ اسی روز شام کے وقت ایک پہاڑی ٹیلے پر بالکل تنہا ان سے ملاقات کرے۔

نپولین جانتا تھا کہ اس خط کے لکھنے والے اس کے تین جانی دشمن ہیں اور ان کا مقصد کسی

ممکن طریقے سے اس کی جان لینا تھا۔ نپولین کی خواہش
بھی بالکل یہی تھی کہ کسی طرح ان تین مردودوں
کا خاتمہ کر دیا جائے اس وقت دونوں کے لئے
موقع تھا۔

تمہارا۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے نپولین ان
تینوں کے لئے کافی نہیں اس نے افسر سے کہا۔ صرف
تین کے لئے نہیں۔ بلکہ تین سو کے لئے بھی، افسر
نے جواب دیا مگر...... مگر کیا نپولین مسکرا کر
بولا۔ افسر نے سر جھکا کر کہا۔

مگر نپولین اعظم کی زندگی پر ہی اس کے سپاہیوں
کی زندگی کا انحصار ہے۔ اس لئے احتیاط لازمی
ہے۔ اور خواہ مخواہ ایسی قیمتی زندگی کو خطرے میں
ڈالنا عقلمندی کا کام نہیں آپ کو معلوم ہے کہ خادم
کی شکل و صورت آپ سے بہت ملتی ہے۔ اگر آپ
آج شام اپنا لباس مجھے عطا فرما دیں تو......

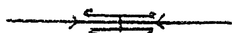
میں سمجھ گیا۔ تمھارا مطلب سمجھ گیا۔ تم میرے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہو نپولین نے کہا۔"

ہاں عالی جاہا۔ اگر دشمنوں کی تلوار کا شکار ہوگا۔ تو ایک معمولی خادم نہ کہ نپولین اعظم افسر نے بہادرانہ لہجہ میں جواب دیا۔

اسی شام کو نپولین کے ایک فوجی افسر کا گذر اس ٹیلے کی طرف ہوا۔ اس نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اور دو مردہ پڑے ہیں ان میں سے ایک آدمی زخموں سے چُور ہو رہا تھا۔ تاہم وہ برابر تلوار چلا رہا تھا۔ افسر نے بغور دیکھا۔ وہ زخمی آدمی نپولین تھا۔ اس نے معاً گھوڑے سے کود کر اس کے حریف کی گردن پر وار کیا۔ چشم زدن میں تیسرا شخص بھی مردہ تھا۔

قبل اس کے کہ وہ زخمی نپولین کی طرف متوجہ ہو وہ بھی جاں بحق ہو چکا تھا۔ وہ [illegible]

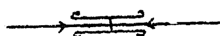
سر جھکا کر حیران کھڑا تھا اسے یقین نہ آتا تھا کہ واقعی
یورپ کا شہنشاہ اعظم اس کے سامنے بے جان پڑا ہے
اتنے میں کسی نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے
پر ہاتھ رکھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ بھی نپولین
تھا۔ اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نپولین نے
اپنے ہم شکل کی نعش کو دیکھ کر سرد آہ بھری۔ اور اس
افسر سے بولا۔ نپولین زندہ ہے۔ یہ مرنے والا میرا
ایک جان نثار افسر تھا۔ کاش میں وقت پر پہنچ سکتا۔



ماں کی خدمت

(از)

مسٹر دیوی دت شکل



ذکر ہے کہ جرمنی کا بادشاہ جوزف دوم ایک مرتبہ شہر کی حالت دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ تنہا تھا کوئی اس کے ساتھ نہ تھا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک غریب لڑکی اپنے کپڑے فروخت کر رہی ہے۔ لڑکی کا چہرہ بہت اُداس اور مُرجھایا ہوا تھا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ لڑکی بہت دکھ تکلیف میں ہے۔ بادشاہ نے اس لڑکی کو اپنے قریب بلا کر آہستہ سے پوچھا بچی تو اتنی اُداس کیوں ہے۔

لڑکی نے جواب دیا جناب، تھوڑے دن ہوئے کہ میرے باپ کی وفات ہو گئی ہے۔ اب میری ماں چار پائی سے لگ گئی ہے۔ اس کی دوا دارو اور کھانے پینے کے لئے گھر میں کچھ بھی نہیں، اور نہ کوئی ذریعہ ہے۔ اس لئے میں اپنے کپڑے فروخت کرنے آئی ہوں۔ ان کپڑوں کے جو دام ملیں گے، ان سے جیسے تیسے کر کے آج کی ضرورت تو رفع ہو جائے گی۔ اور کل کیا ہو گا۔ میری ماں کھانا اور دوا نہ ملنے کے باعث مر جائینگی رہ رہ کر یہی خیال میرے دل میں آتا ہے اور اسی کے باعث میں رنجیدہ اور فکر مند ہوں۔

اتنا کہتے کہتے لڑکی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کچھ دیر رونے کے بعد اس نے پھر کہا جناب اس ملک میں بڑی بے انصافی ہے۔ اگر یہاں انصاف سے کام لیا جاتا تو ہماری یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔ میرے والد نے برسوں فوج میں ملازمت کی اور

برسوں خوبی سے اپنی خدمات انجام دیں۔ اگر بادشاہ منصف ہوتا، اس کے دل میں خدا کا خوف ہوتا، تو وہ میرے والد کو بڑھاپے میں انعام یا پنشن دیتا۔ لیکن بادشاہ نے اس کی خبر تک نہ لی۔ وہ بڑھاپے میں سخت تکلیف اُٹھا کر مر گئے۔

بادشاہ کو لڑکی کی باتیں سُن کر بہت افسوس ہوا اس نے کہا بچّی، شاید بادشاہ کو خبر بھی نہ ہو کہ تمہارے باپ نے ملک کی کیسی خدمت کی ہے۔ وہ حکومت کے معاملات میں مشغول رہتا ہے۔ اگر تم نے اپنے والد کے حالات سے اس کو باخبر کیا ہوتا تو وہ ضرور توجہ کرتا۔ اگر تم اب اپنی ساری کیفیت لکھ کر بادشاہ کو بھیجدو تو اُمید ہے کہ بادشاہ تمہاری درخواست پر ضرور غور کرے گا۔

لڑکی نے کہا صاحب ہم غریبوں کی درخواست بادشاہ کے حضور میں پہنچنا ہی تو سب سے مشکل بات ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا تو اس کی فکر نہ کرو۔ بادشاہ سے میرا قریبی تعلق ہے۔ میں تجھے ضرور امداد دلاؤں گا۔

اتنا کہہ کر بادشاہ نے لڑکی کے ہاتھ پر چند سکے رکھے اور کہا تجھ کو اپنے کپڑے فروخت کرنے کی ضرورت نہیں اب تو اپنے گھر جا اور پرسوں کچہری میں آ کر مجھ سے ضرور ملنا۔

بادشاہ نے لڑکی کے باپ کا نام دریافت کیا اور اس کو تسلی دے کر آگے کی طرف چل دیا۔

لڑکی بہت حیران تھی کہ یہ نیک دل شخص کون تھا جب تک وہ نظر آتا رہا، لڑکی اپنی آنسوں بھری آنکھوں سے اس کو دیکھتی رہی بعد ازآں اپنے گھر پہنچ کر اپنی ماں سے ساری کیفیت بیان کی۔

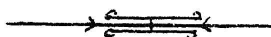
بادشاہ نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ لڑکی نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل درست ہے۔ بادشاہ نے اس

ماں بیٹی کو دربار میں طلب کیا اور جو تنخواہ مرحوم سپاہی کو ملتی تھی، وہی ان دونوں کی پنشن مقرر کردی۔ اس کے بعد اس نے ان دونوں سے بڑی عاجزی سے کہا تمھیں وقت پر پینشن نہ ملنے کے باعث بہت تکلیف جھیلنا پڑی ہے، اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔

وہ دونوں اپنے گھر گئیں اور دل میں خوش تھیں کہ خدا نے وقت پر ہماری مدد کی۔

پیارے بچو تم نے دیکھا، اس لڑکی کو اپنی ماں سے کیسی محبت تھی۔ اس کے آرام کے لئے وہ اپنے کپڑے تک بیچنے کو تیار تھی۔ اس کی قربانی سے خدا بھی خوش ہوگیا اور اس نے ایسا سامان مہیا کردیا کہ اس لڑکی اور اس کی ماں کی تکلیف دور ہوگئی۔ اگر تم بھی اچھا کام کرو گے تو خدا تمھاری بھی مدد کرے گا۔

بہادر ڈاکٹر



یونان کی پہاڑیوں میں اٹلی اور یونان کی فوجیں ایک عظیم الشان جنگ میں مصروف تھیں یونانی اپنی چھنی ہوئی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بندوقوں اور توپوں کے چلنے سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ میدان جنگ گرد وغبار اور دھویں کا آسمان بن رہا تھا۔ جا بجا لاشیں پڑی تھیں۔ مُردہ سپاہیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ زخمیوں کی چیخ پکار اور ہائے وائے کی آواز کے سوا اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ کرۂ ہوائی بندوقوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا یونانیوں کی اٹلی والوں کے سامنے کچھ پیش نہ

جاتی تھی۔ بار بار آگے بڑھتے لیکن ہر دفعہ زک اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ یونانی فوج میں ایک نوجوان سپاہی سیاہ رنگ کے کپڑے گھوڑے پر سوار اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ اور یونانی فوجوں کے پرانے پر ابھارتا تھا۔ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتا جاتا۔ بار بار اپنی تلوار کو چمکاتا۔ لیکن یونانیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ان کی ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ وہ نوجوان ان کی یہ حالت دیکھ نہ سکا۔ ایک دفعہ گرج کر بولا بہادرو تمھاری بہادری کہاں گئی۔ کیا تم ان بزدلوں کے سامنے میدان جنگ سے بھاگ جاؤگے اگر تمھارا یہی خیال ہے تو تمام عمر غلامی کا پھندا تمھاری گردنوں میں پڑا رہے گا۔ اگر تم ہمت اور حوصلے سے کام لو تو ابھی میدان جنگ ہمارے ہاتھ ہوگا اس کے یہ لفظ یونانیوں پر اپنا اثر کر گئے یونانیوں نے جوش میں آکر ایک سخت حملہ کیا۔ لیکن شکست کھاکر پیچھے ہٹنا پڑا۔۔

وہ نوجوان یونانیوں کی یہ حالت دیکھ کر سمجھا کہ بنا بنایا کام بگڑ رہا ہے۔ وہ موت کو غلامی کی زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ اس لئے وہ سیدھا دشمنوں کی صفوں میں گھس گیا۔ اسی اثنا میں ایک بوڑھا یونانی سپاہی آگے بڑھا۔ اور اسے روک کر کہنے لگا بے شک آپ صداقت پر ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ کی جوانی یونہی تباہ ہو جائے۔ آپ نے ابھی تک دنیا کو جی بھر کر نہیں دیکھا۔ میں بوڑھا ہوں۔ دنیا سے سیر ہو چکا ہوں اب میری دنیا میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے مر جانے دیجئے۔"

جب اس نوجوان نے اس بوڑھے کے اندر اتنا جذبہ محسوس کیا۔ تو کہنے لگا۔ نہیں۔نہیں۔ مجھے اپنے وطن کی آزادی پر قربان ہو جانے دو۔

یہ کہتے ہی دونوں نے اٹلی کی فوجوں میں گھس کر ہل چل مچا دی۔ اب طرفین کی فوجیں آمنے سامنے

کھڑی تھیں۔

یونانیوں نے جب اس طرح اپنے دو آدمیوں کو کٹتے دیکھا۔ تو ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ غصّے اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ نفرت اور حقارت سے اٹلی والوں کو دیکھا۔ اور ان پر جا پڑے۔

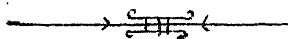
بڑے گھمسان کا معرکہ ہوا۔ آناً فاناً کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کے دریا بہ گئے۔

اٹلی والوں نے جب یونانیوں کا یہ حال دیکھا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ گئے۔ اور میدان یونان کے ہاتھ رہا۔

بچّو۔ جانتے ہو وہ نوجوان آدمی کون تھا۔ یہ سموئیل جی ہیو تھا۔ جس کا اصلی وطن امریکہ تھا مگر اسے یونان میں رہتے ہوئے مدت گذر گئی تھی اس لئے وہ یونان ہی کو اپنا وطن سمجھتا تھا۔ علاوہ سپاہی ہونے کے وہ ایک لایق اور تجربہ کار ڈاکٹر بھی تھا۔ جہاں کہیں وہ گیا۔ وہاں

اس نے زخمیوں کے لئے ہسپتال بنوائے۔ بیماروں اور زخمیوں کی تیمار داری کی۔ اور اس وقت جبکہ یونانی قحط کی وجہ سے بھوکے مر رہے تھے۔ وہ دُنیا کے تمام ملکوں میں ان کی امداد کے لئے گیا۔ جا بجا اخباروں اور لیکچروں کے ذریعہ چندہ جمع کیا۔ اور اس حالت میں جبکہ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمت ہار بیٹھے تھے اس نے اپنی زندگی کو ان پر قربان کر دیا۔

جس جگہ ان دونوں بہادروں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ یونانیوں نے وہاں پر ایک عالیشان مینار تعمیر کرایا۔ ان کے تہوار منائے اور مدت تک ان کی بہادری کے گیت گاتے رہے۔



شہنشاہ جہانگیر کا انصاف

از

(سیّد مسعُود علی صاحب)

شہنشاہ جہانگیر ہندوستان کے بادشاہ تھے اور آصفجاہ ان کی طرف سے لاہور کا گورنر تھا یہہ آصفجاہ نور جہاں کا بھائی تھا اول تو خود گورنر اور دوسرے بادشاہ سے قریبی رشتہ داری۔ اس غرور میں جو کچھ کر بیٹھتا وہ کم تھا۔ ایک دن ناچ گانے کے مزے لے کر آدھی رات کے قریب سویا تھا کہ شور وغل سے آنکھ کھل گئی بہت غصّہ ہوا دریافت کیا کہ یہ کیسا شور وغل ہے۔ معلوم ہوا کہ قریب ایک غریب آدمی ولی محمد نامی رہتا ہے اس کے اولاد نہ ہوتی تھی آخر بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد آخر عمر

ہیں اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور یہ اس کی
خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ آصف جاہ نے حکم دیا کہ
ابھی اس بے ادب اور اس کے بچہ کو میرے سامنے
حاضر کرو۔ حکم کی دیر تھی سپاہی دوڑے اور ولی محمدؐ
اور اس کے بچہ کو آصفجاہ کے سامنے لے گئے۔ آصفجاہ
نے نہایت غصہ سے کہا اس محل میں لاہور کا گورنر
اور ملکہ نورجہاں کا بھائی آصفجاہ رہتا ہے اور یہہ
اس کے آرام کا وقت ہے تو نے یہ جان بوجھ کر شور
وغل کیوں کیا اور اپنی موت خود کیوں بلائی۔
ولی محمدؐ یہ سن کر کانپ اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔
حضور خداوند تعالیٰ نے بڑی دعاؤں اور مرادوں
کے بعد آج مجھے ایک بیٹا مرحمت فرمایا ہے یہ اس
کی خوشی منائی جارہی تھی حضور کے آرام میں خلل
پڑا مجھ سے بڑا قصور ہوا ہاتھ جوڑ کر اور حضور کے
قدموں پر سر رکھ کر معافی چاہتا ہوں یہ کہہ کر اس

نے اپنا سر آصفجاہ کے قدموں پر رکھ دیا۔ مگر اس
کے دماغ میں تو نشہ ہی اور تھا کمبخت ظالم نے ظلم
کی انتہا کردی اور غریب ولی محمد کے جگر کے ٹکڑے
کو جسے دنیا میں آئے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے۔ اسی
کے ہاتھ سے ذبح کرایا اپنے معصوم بچے کے گلے پر خنجر
پھیر کر ولی محمد کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے اپنے
مردہ بچہ کی نعش کو سینہ سے چمٹا کر بیہوش ہو گیا۔ جب
ذرا ہوش میں آیا تو وہ روتا پیٹتا آصف جاہ کے محل
سے اپنے گھر آیا اور اپنے بچہ کو ہمیشہ کے لئے خاک میں
سُلا کر بادشاہ سے فریاد کرنے آگرہ کو روانہ ہوا آگرہ
پہنچ کر اس طرح رو رو کر بادشاہ کے حضور میں فریاد
کی کہ بادشاہ کا دل بھی ہل گیا اور آنکھوں میں آنسو
بھر آئے۔ فوراً لاہور کے سفر کی تیاری کا حکم دے دیا
لاہور پہنچ کر دوسرے دن ایک بہت بڑا دربار کیا۔
جس میں رئیسوں اور امیروں کے علاوہ عام رعایا

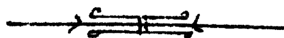
بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئی جس وقت درباری بادشاہ اور ملکہ نورجہاں کو شاہی سلام کر چکے تو بادشاہ نے دربار میں کھڑے ہو کر فرمایا۔ بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ اور اس کا یہ فرض ہے کہ خدا کے بندوں کی حفاظت کرے اُن کے آرام اور خوشی کو اپنے آرام اور خوشی سے بہتر سمجھے اور کسی کو ہرگز نہ ستائے۔ نہ ظلم کرے۔ اور یہی فرض ان لوگوں کا ہی جو بادشاہ کے حکم سے رعایا پر حاکم مقرر ہوئے ہوں یہ خدا اور رسول کا حکم ہے۔ یا اس میں کچھ غلطی ہے۔ بادشاہ نے آصفجاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آصف جاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور والا بالکل بجا ارشاد فرمایا۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ رعایا کے آرام کے خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے۔

بادشاہ نے ملکہ نورجہاں کو مخاطب کر کے فرمایا اگر آصف جاہ کا یہ کہنا سچ ہے تو تمہاری رائے میں ایک ایسا

حاکم کس سزا کا مستحق ہے جو صرف اپنی نیند میں خلل
پڑ جانے کی وجہ سے ایک غریب شخص کو اپنے ایک ایسے
بچے کے حلق پر خنجر پھیرنے کے لئے مجبور کرے جو بڑی
تمناؤں کے بعد آخر عمر میں خدا نے اُس کو عطا کیا ہو
بادشاہ کی یہ باتیں سنکر آصفجاد کی آنکھوں تلے اندھیرا
آگیا۔ مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ نور جہاں جو
اب تک ان تمام باتوں سے بے خبر تھی نہایت جوش
کے ساتھ بولی ایسے سخت دل حاکم کا خواہ وہ میرا کیسا
ہی عزیز ہو سر تن سے جدا کرنے سے باز نہیں رہ سکتی۔
ولی محمدؐ دربار میں ہی ایک طرف چھپا بیٹھا تھا۔ بادشاہ
نے اس سے کہا کہ تو اپنا سچا حال پھر دربار میں بیان
کر۔ ولی محمدؐ نے اپنا دردناک حال بیان کرنا شروع کیا
دو چار لفظ کہتا تھا۔ اور پھر غم و رنج سے اس کا گلا
گھٹنے لگتا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسنے
لگتا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس نے سب حال کہا درباریوں

ہیں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ولی محمد کا دل ہلا دینے والا بیان سنکر آنسو نہ بہا رہا ہو۔ بلکہ نور جہاں کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اور وہ ایک بھوکی شیرنی کی طرح اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔ ادھر آصف جاہ کا یہ حال تھا کہ خوف اور شرم کی وجہ سے آدھا ہو چکا تھا۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور اسے اپنی موت نہایت ڈراونی شکل میں بہت قریب نظر آ رہی تھی بادشاہ نے نور جہاں سے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ میں ایسے ظالم حاکم کا سر خود اڑا دوں گی چاہے وہ میرا کیسا ہی عزیز ہو۔ اب کیا دیر ہے اپنے اس قول کو پورا کرو۔ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا آخر رئیسوں اور امیروں نے جرأت کر کے بادشاہ سے آصف جاہ کا قصور معاف کر دینے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ التجا کی ولی محمد نے بھی

عرض کیا کہ جہاں پناہ جو مجھ بدنصیب کی تقدیر میں لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ اب آصف جاہ کے قتل سے میرا بچہ واپس آسکتا نہیں۔ اس لئے آصف جاہ کو معاف کر دیا جائے آصف جاہ بھی اٹھا اور بادشاہ کے قدموں میں گر کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اتنے میں نورجہاں بجلی کی طرح تڑپ کر اُٹھی اور بادشاہ کی تلوار لے کر آصف جاہ کا سر ایک ہی وار میں تن سے جدا کر دیا اور اس کی تڑپتی ہوئی لاش کو ٹھکرا کر بولی کہ ایسا ظالم اور بے غیرت شخص نورجہاں کا بھائی کہلانے کے قابل ہرگز نہیں۔



غازی سلطان صلاح الدین

(کی)

دشمن پروری

از جناب منشی نور محمد صاحب

(※)

انگریزوں کی زیارت گاہ کا مقام بیت المقدس (یروشلم) ہے۔ جو ایشیائے کوچک میں واقع ہے اس شہر میں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے۔ جو عیسائی مذہب کے بانی اور ہمارے حکمران انگریزوں کے پیغمبر ہیں۔ انگریزوں کے نزدیک یروشلم نہایت پاک شہر ہے۔

یروشلم میں مسلمان سلاطین حکومت کرتے

تھے۔ انگریزوں کو یہہ بات ناگوار گذری اس لئے
انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ شروع
ہوئی۔ اسی طرح یروشلم کے لئے پہلے بھی کئی لڑائیاں
ہو چکی تھیں۔ بہت لوگ قتل ہوئے تھے۔ تم جب
انگلستان کی تواریخ پڑھو گے اس وقت ان جنگوں
کا حال تمہیں یاد کرنا ہو گا۔ یہ تمام واقعہ ۱۰۶۶ء
کا ہے۔ اس جنگ میں انگریزوں کو شکست ہوئی
اور اسلامی حکومت قایم رہی یروشلم کے سلطان
کا نام غازی صلاح الدین تھا۔ اس وقت انگلستان
میں رچرڈ نامی مشہور فرمان روا حکومت کر رہا تھا
اور فرانس میں فلپ نامی سلطان یہ دونوں
سلاطین جمع ہوئے۔ عظیم الشان فوج تیار کی اور
غازی صلاح الدین پر حملہ آور ہوئے جنگ چھڑ گئی
کئی بے گناہ قتل کئے جارہے تھے جہاں دیکھئے خون
ہی خون بہتا نظر آتا تھا اس موقعہ پر شاہ رچرڈ

بیمار پڑا اور جنگ موقوف ہو گئی۔

ایک روز شاہ رچرڈ اپنے خیمہ میں سویا ہوا تھا اس کی بیماری مہلک تھی۔ وہ غیر ملک میں تھا اس لئے متفکر رہا کرتا تھا۔ ناگہاں نقارہ کی آواز سُنی رچرڈ چونک اُٹھا۔ عرصۂ جنگ میں نقارہ بجے تو جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ رچرڈ کو محسوس ہوا کہ ترکی جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بدقت تمام خیمہ سے باہر آیا۔ سامنے سے تین ترک آ رہے تھے ایک نقارہ بجاتا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں سفید نشان تھا۔ عرصہ جنگ میں سفید نشان صلح کی علامت ہے۔ تینوں رچرڈ کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ ایک نے رچرڈ کو نامہ دیکر کہا یہ خط ہمارے سُلطان نے دیا ہے رچرڈ خط کو پڑھنے لگا۔

شاہ رچرڈ۔ تم بیمار ہو یہ سُن کر ہمیں رنجیدہ

ہوں۔ تمھارے پاس جو انگریز ڈاکٹر ہے وہ اس ملک کے امراض کا علاج نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنے حکیم کو بھیجا ہے۔ وہ تمہارا عمدہ علاج کرے گا میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم تمکو جلد صحت کلی عطا فرمائے

راقم صلاح الدین والئے دولت خداداد ترکستان)

رچرڈ نے خط کو دو تین مرتبہ پڑھا اس کو خیال ہوا کہ سلطان کی یہ حکمت عملی معلوم ہوتی ہے کہ حکیم مجھے دوا میں زہر دے دے اور میں مرجاؤں رچرڈ نے بہتیرا سوچا انجام کار اس نے محسوس کیا کہ اس میں کوئی فریب نہیں ہے۔ لہذا علاج شروع کیا رچرڈ تندرست ہوگیا۔ اب حکیم نے رخصت طلب کی رچرڈ نے حکیم کو انعام واکرام دینا چاہا حکیم نے کہا کہ میرے آقائے ولی نعمت سلطان صلاح الدین نے مجھے معاوضہ لینے سے منع کیا ہے یہ کہکر بلا کچھ لئے رخصت ہوگیا۔

شاہ رچرڈ تندرست ہو اپھر لڑائی شروع ہوئی۔ ان
کئی بہادر سور ما قتل ہوئے اور مرنے لگے۔ رچرڈ نے
محسوس کیا کہ لڑائی کا انجام ٹھیک نہ ہوگا۔ یہ بھی
سوچا کہ ایک شہر فتح کرنے کے لئے۔ خدا کی بے گناہ
مخلوق کا خون کیوں بہایا جائے۔ اُس نے خیال کیا
کہ جنگ موقوف لہذا سلطان کے نام ایک خط لکھا
اس میں تحریر کیا کہ

غازی سلطان صلاح الدین

میں تم سے کسی معاملہ پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں
اگر کل شام کو دریا کے کنارے ملاقات کیجئے تو بہتر ہو
راقم رچرڈ کنگ آف برطانیہ

سلطان نے خط پڑھا اور شام ہوتے ہی تیار
ہوا۔ لب دریا رچرڈ اور صلاح الدین دونوں ملاقی
ہوئے۔ جنگ کے متعلق دونوں نے بہت دیر تک

گفتگو کی۔

رچرڈ۔ سلطان ذی شان میرے اور تمہارے سپاہی کٹ رہے ہیں۔ جنگ کا کوئی انجام نظر نہیں آتا اس سے بہتر ہے کہ ہم صلح کریں۔

سلطان میری طرف سے انکار نہیں تمہاری مرضی کے مطابق ہم دونوں آپس میں سمجھ لیں۔

اثنائے گفتگو میں شاہ رچرڈ کی نظر سلطان صلاح الدین کے رُخ پر پڑی۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ صلاح الدین کا بھیجا ہوا حکیم بھی ہو بہو اسی جیسا تھا۔ اتفاقاً سلطان نے سر سے تاج اتار کر اور ترکی ٹوپی اوڑھ لی۔

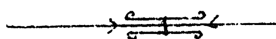
رچرڈ نے اب اس کو ٹھیک پہچانا کہ حکیم کی صورت میں خود سلطان اس کے معالجہ کے لئے آیا تھا۔

رچرڈ نہایت خوش ہوا۔ اور بولا اوہو۔ سلطان والا شان تم پر تحسین ہے اور تمہارے علاج پر بھی

تحسین تم بیماری میں اپنے دشمن کا علاج کرنے سے بھی باز نہیں آتے یہ تمہاری شرافت اور بزرگی ہے۔

اب کیا تھا سلطان صلاح الدین اور شاہ رچرڈ میں دوستی ہو گئی اور جنگ موقوف ہو گئی۔

انگلستان میں سکاٹ نامی ایک بڑا شاعر گذرا ہے اس نے اس لڑائی کے حالات پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ جس میں سلطان موصوف کے اعلیٰ ترین کارنامے اور مذہب اسلام کے عمدہ ترین احوال سنہری الفاظ میں قلم بند کئے ہیں۔



جمشید اور ضحاک

(از)

جناب طاہر ناصر غلام نما الصاحب گورنمنٹ کالج لاہور

مدتیں گذر گئیں۔ جب دنیا نئی نئی تھی۔ ملک ایران میں ایک بادشاہ رہا کرتا تھا جس کا نام جمشید تھا اکثر بچوں نے جمشید کا حال بھی پڑھا ہوگا۔ وہ بہت ہی اچھا بادشاہ تھا۔ اور بہت ہی عمدہ انصاف کیا کرتا تھا۔ اس نے ایران پر سات سو سال حکومت کی۔ اس کی طاقت کا یہ حال تھا کہ پریاں دیو چرند اور پرند سب اس کے ماتحت تھے۔ اس کے زمانے میں ملک میں بہت ترقی ہوئی۔ اور اس نے

ارادہ کیا کہ میں دنیا کو ظالموں کے ظلم سے بچاؤنگا اور اُن کو ایک راہ پر چلنے کی ہدایت کروں گا۔

پچاس برس تک وہ لڑائی کے ہتھیاروں کی اصلاح کرتا رہا۔ اس نے خود (لوہے کی ٹوپیاں) بنائیں۔ نیزے اور زرہ بکتر بھی اس کے زمانہ میں ایجاد ہوئے۔ اس کے بعد اُس نے اپنی توجہ لوگوں کے لباس کی طرف بدلی اِس نے لوگوں کو کپڑا بُنا سکھایا۔ ململ ایجاد کی۔ پھر اُس نے ان کپڑوں کے لباس بنوائے۔ جب یہ کام پُورا ہو گیا تو اس نے عطر وغیرہ ایجاد کیا اور بیماریوں سے بچنے کے واسطے دوائیں تیار کرائیں۔ غرض اس نے لوگوں کی بہتری کے واسطے بہت کچھ انتظام کیا۔

اس طرح تین سو برس گذر گئے۔ اور لوگ بہت امن میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دیو وغیرہ جو تھے ان کو غلام بنایا گیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا۔

جمشید کی طاقت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ بہت مغرور ہو گیا اور سوائے اپنے اُسے دنیا میں کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ اس گستاخی سے آخرکار دیوتاؤں کو غصہ آ گیا اور انہوں نے جمشید کو سزا دینے کی ٹھان لی۔

اب ہم جمشید کا حال چھوڑ کر عرب کے ملک پر غور کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں عرب کے ایک قبیلے کا سردار تھا۔ اس کے ماتحت بہت سے سوار اور بہادر آدمی تھے۔ خدا نے ایک بیٹا دیا تھا۔ جس کا نام ضحاک تھا وہ بہت ہی بہادر تھا۔ اور ہمیشہ اپنے باپ کے دشمنوں سے لڑتا رہتا تھا۔

ایک دن شیطان بھیس بدل کر ضحاک کے پاس آیا۔ اور اس سے اس طرح کی باتیں کیں کہ ضحاک نے اپنے نیک راستے چھوڑ دئے اور بُرے بُرے کام کرنے لگا۔ شیطان بہت ہی خوش ہوا۔ اور ایک دن ضحاک سے کہنے لگا "مجھے بہت سی

باتیں ایسی آتی ہیں جو سوائے میرے کوئی اور نہیں جانتا۔ اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ بھید کسی کو نہ بتاؤ گے تو میں تمہیں سب سکھا دوں گا۔ ضحاک نے قسم کھائی کہ میں کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہوں گا۔ اور تمہارا کہنا مانوں گا۔ چنانچہ شیطان بولا "قابل شہزادہ تمہاری ہوشیاری اور عقلمندی کو دیکھتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو بادشاہ بنا دیا جائے تو بہت ہی اچھا ہو۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم اپنے باپ کو مار ڈالو۔ اور اس کی جگہ خود بادشاہ بن جاؤ۔ پھر اگر تم میرا کہا مانوگے تو دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ بن جاؤگے۔

ضحاک کو اپنے باپ سے بہت محبت تھی وہ کہنے لگا۔ یہ کام بہت مشکل ہے۔ میں اپنے باپ کو نہیں مار سکتا۔ تم مجھے کسی اور کام کے لئے کہو۔ میں اسے پورا کروں گا۔ شیطان کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگا

تم نے مجھ سے قسم کھائی ہے کہ تمھارا کہا مانوں گا۔ اگر تم اب اپنی قسم توڑو گے تو تمھیں بہت پشیمان ہونا پڑے گا۔ ضحاک آخر ہار گیا۔ اور کہنے لگا:۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں اس کو کس طرح مار سکتا ہوں۔ شیطان نے جواب دیا تم بیفکر رہو۔ میں خود انتظام کر لوں گا۔ اور اگر تم میرا کہا مانتے رہو گے تو تمھیں آسمان تک پہنچا دوں گا۔ دوسرے دن شیطان نے محل کے باغ میں ایک گڑھا کھودا۔ اور اس کے منھ پر گھاس وغیرہ ڈال کر زمین یکساں کر دی۔ وہ ضحاک کے پاس آیا اور کہنے لگا ؛ جب بادشاہ صبح ہی سیر کے واسطے نکلا تو اس گڑھے میں گر پڑا اور مر گیا۔ جب شیطان کا کام پورا ہو گیا۔ تو وہ ضحاک کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ جب تم میرا کہنا ہر طرح ماننے لگو گے تو میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دیا کروں گا۔ یہ کہکر وہ غائب ہو گیا۔ چند دنوں بعد شیطان ایک باورچی کا بھیس بدل کر

ضحاک کے پاس آیا۔ اور شاہی باورچیخانہ میں ملازم ہوگیا
رفتہ رفتہ وہ باورچیخانہ کا افسر اعلیٰ ہوگیا۔ شیطان
کا مقصد تھا کہ ضحاک کو ترکاری کی عادت چھڑا کر گوشت
کی عادت ڈالے۔ پہلے پہل اس نے ضحاک کو انڈے
کھلانا شروع کئے جس سے اس میں بہت طاقت آگئی
ضحاک بہت خوش ہوا اور شیطان کی بہت تعریف کی
لیکن شیطان بولا حضور کل کو آپ کے واسطے ایسی
چیز تیار کروں گا۔ جو آپ نے کبھی چکھی بھی نہ ہوگی
چنانچہ دوسرے دن اس نے تیتر کا گوشت پکایا ضحاک
اور بھی خوش ہوا۔ تیسرے دن شیطان نے بھیڑ کا
گوشت ضحاک کے واسطے تیار کیا۔ چوتھے دن بادشاہ
نے ایک بچھڑے کے کباب اڑائے۔ آخر ایک دن
اس نے شیطان کو بلایا اور کہا اے باورچی میں تیری
خدمت سے بہت خوش ہوا ہوں۔ اگر تیری کوئی خواہش
ہے تو مجھ سے بیان کر میں پوری کروں گا۔ شیطان

نے ضحاک کے قدم چوم کر کہا۔ جہاں پناہ کی عمر دراز دشمن پامال۔ میری صرف ایک خواہش ہے۔ میں صرف حضور کے کاندھے کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ اور ان سے اپنی آنکھیں لگاؤں گا۔ ضحاک نے بے خوف و خطر اپنے کاندھے ننگے کر دئیے۔ شیطان نے ان کو بوسہ دیا اور خود غائب ہو گیا۔ لیکن ضحاک کے دونوں کاندھوں میں دو کالے سانپ نکل آئے بادشاہ کو بہت غم ہوا اور اس نے بہت سے علاج کئے۔ لیکن آرام بالکل نہیں ہوا۔ آخر اس نے حکم دیا کہ دونوں سانپوں کو کاندھوں کے پاس سے کاٹ دو۔ لیکن سانپ پھر نکل آئے۔

جتنی مرتبہ بادشاہ نے سانپوں کو کٹوایا اتنی مرتبہ وہ پھر نکل آئے۔

آخرکار شیطان ایک حکیم کا بھیس بدل کر آیا۔ اور کہنے لگا سانپوں کو کٹوانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا ان کو ایسے ہی رہنے دو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہر روز

دو آدمیوں کا بھیجہ (دماغ) نکال کر ان کو کھلایا جائے ممکن ہے کہ اس سے کچھ فرق ہو جائے۔

عرب کا حال چھوڑ کر اب پھر ایران میں جمشید کی خبر لیتے ہیں۔ وہاں کے لوگ جمشید کے غرور اور گستاخی سے بہت تنگ آگئے تھے۔ انہوں نے مل کر بغاوت کر دی اور ضحاک سے جاکر مل گئے ضحاک بھی خوشی سے ان کا سردار بن گیا۔ اور ایک لشکر لیکر جمشید پر حملہ کر دیا۔ جمشید شکست کھا کر بھاگا۔ اور سو برس چھپا رہا لیکن ضحاک نے چین سے گرفتار کرکے اس کو قتل کر دیا[1]

---

[1] جمشید بھاگا بھاگا پھر رہا تھا تو اس نے سیستان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ جب جمشید کو گرفتار کرکے ضحاک کے سامنے پیش کیا گیا تو ضحاک کے حکم سے جمشید کو شکنجہ میں کسا گیا۔ اور ایک مچھلی کی ہڈی سے جو آرہ کے مانند تھی اس کو برابر چیر اگیا۔ جب اس کی بیوی نے یہ خبر سنی تو زہر کھا کر مر گئی۔ لیکن ایک لڑکا چھوڑ مری جو رستم کا باپ ہوا۔

ضحاک نے ایک ہزار برس تک ایران پر حکومت کی۔ اس عرصہ میں دو آدمی ہر روز قتل کئے جاتے تھے اور ان کا بھیجہ سانپوں کو کھلایا جاتا تھا۔ یہاں تک صرف دو ایرانی ارجمال اور کرمیل باقی رہ گئے۔ ایک دن اتفاق سے دونوں ایک جگہ ملے۔ اور ضحاک کے ظلم کا ذکر کرنے لگے۔ آخر دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ باورچی خانہ میں ملازم ہو جائیں۔ اور ان بدقسمت آدمیوں کو جو ضحاک کے سانپوں کے نذر ہوتے تھے کسی صورت سے بچائیں۔

چنانچہ دونوں ضحاک کے باورچیخانہ میں ملازم ہو گئے اب انہوں نے کیا ترکیب کی۔ کہ جو وہ شخص قتل ہونے کو آتے تھے۔ ان میں سے ایک قتل کرکے اس کا بھیجہ بھیڑ کے بھیجے میں ملا کے سانپوں کو دیدیا کرتے تھے اور دوسرے کو وہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح اونہوں نے دوسو آدمیوں کی جان بچائی

سب کے سب پہاڑوں میں جاکر رہنے لگے اور ان کی اولاد کر دکھلاتی ہے۔

اپنی موت سے چالیس سال پہلے ایک رات ضحاک نے خواب میں دیکھا کہ تین شاہانہ شکل وصورت کے سپاہی آرہے ہیں۔ ان میں سے دو بوڑھے ہیں ایک جوان جو دونوں بوڑھوں کے درمیاں ہے جوان شخص بہت ہی خوبصورت ہے۔ اور وہ ایک شہزادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہے جس پر بیل کا سر بنا ہوا ہے اس نے آگے بڑھ کر ضحاک پر حملہ کیا اور اوس کے ہاتھ پاؤں پر بہت لعنت ملامت کی۔

یہ خواب دیکھتے ہی ضحاک ایک چیخ مار کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر اس کی بیوی عارنواز اور ضحاک کے مُصاحب دوڑتے ہوئے آئے ضحاک نے اپنا خواب بیان کیا اور تعبیر طلب کی۔ ایک نے

ڈرتے ڈرتے کھڑے ہو کر کہا۔ حضور آپ سے پہلے بھی بہت سے بادشاہ ہو چکے ہیں لیکن موت نے سب کو آلیا۔ اگر حضور لوہے کی دیوار بھی بن جائیں پھر بھی موت کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکے گی ایک شخص کے کاندھے پر ایک لوہے کا گرز ہو گا۔ جس پر بیل کا سر ہو گا۔ وہ آپ کو شکست دیکر تخت سے علیحدہ کریگا۔

ضحاک نے کانپ کر کہا "لیکن وہ مجھ سے کیوں دشمنی کرے گا۔" اس شخص نے جواب دیا کیوں کہ اس کا باپ آپ کے ہاتھوں قتل ہو گا۔

ضحاک کو یہ سن کر غش آگیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے سپاہی تمام ملک میں روانہ کئے کہ فریدوں کی تلاش کریں۔ اسی طرح مدت گذر گئی۔ غم کی وجہ سے ضحاک کا کھانا پینا حرام ہو گیا۔ اس اثنا میں فریدوں بھی پیدا ہو گیا۔ جب وہ بڑا ہوا۔ تو بہت ہی خوبصورت اور بہادر نکلا۔ اس کا باپ ضحاک کے

سپاہیوں کے ڈر سے بھاگ گیا۔ لیکن گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ فریدوں نے اپنے باپ کی قبر پر بیٹھکر انتقام لینے کی قسم کھائی۔

ایک دن ضحاک اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ اچانک اُسے کچھ خیال آیا اس نے سب امیروں وزیروں کو جمع کیا اور کہنا شروع کیا۔ اے شریف لوگو تمہیں معلوم ہے کہ میرا ایک بڑا زبردست دشمن ہے جس کا نام فریدوں ہے میں چاہتا ہوں کہ تم میری مدد کرو۔ یعنی ایک اعلان لکھو کہ میں نے بادشاہ کی حیثیت سے کبھی کسی شخص پر ظلم نہیں کیا۔ اور ہمیشہ انصاف سے حکومت کی۔ سب لوگوں نے ڈر کے مارے اعلان لکھدیا۔

یکایک کسی نے دروازہ پر فریاد بلند کی۔ اس کو ضحاک کے سامنے حاضر کیا گیا۔ ضحاک نے کہا اے شخص تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے۔ فریادی نے دونوں ہاتھوں

سے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا "میرا نام کاوہ ہے اور میں لوہار ہوں۔ میرے سترہ لڑکے تھے۔ جن میں سے سولہ تو تیرے سانپوں کی بھینٹ ہوئے اور اب جو آخری لڑکا بچا ہے وہ بھی آج قتل ہوگا۔ اے بادشاہ آخر تجھے بھی ایک دن خدا کو منھ دکھانا ہے۔ خدا کے قہر و غضب سے ڈر۔ خدا کے واسطے میرے آخری لڑکے کو چھوڑ دے"

ضحاک نے کاوہ کی طرف غصّہ سے دیکھا اور اس کے لڑکے کو آزاد کرکے وہی اعلان پیش کیا کہ اس پر دستخط کردو۔ لیکن کاوہ نے وہ اعلان پُرزہ پُرزہ کر ڈالا۔ اور اوسکو اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔ پھر وہ بازار میں نکلا۔ اور اس نے گلے سے وہ کپڑا اتار کر جو وہ کام کرتے وقت پہن لیا کرتا تھا نیزہ پر لگا دیا۔ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے آس پاس بھیڑ لگ گئی۔ کاوہ نے سب لوگوں سے چیخ کر کہا۔ اے لوگو۔ اگر تم ضحاک کے پنجے سے رہائی پاتا

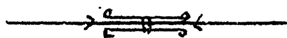
چاہتے ہو تو میرے ساتھ چل کر فریدوں سے مل جاؤ
کاوہ نے ایک لشکر جمع کیا اور فریدوں سے ملنے چل دیا
جو لوگ بھی فریدوں کے طرفدار تھے۔ وہ آکر کاوہ کے
جھنڈے کے نیچے جس کو درخشِ[1] کاویانی کہتے ہیں۔
جمع ہونے لگے۔ اب فریدوں تمام لشکر کو لے کر ضحاک
کے مقابلہ کو چلا۔ دریائے دجلہ پر پہنچ کر فریدوں نے
کشتیوں کے محافظ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں پار اتار دو۔
لیکن محافظ نے انکار کر دیا فریدوں کو بہت غصّہ آیا
اس نے اور اُس کے ساتھیوں نے دریا میں گھوڑے
ڈال دئے۔ اور آن کی آن میں پار ہو گئے۔ اب
انہوں نے ایران کا رُخ کیا اور ضحاک کے محل پر حملہ

---

[1] (۱) فریدوں نے اپنی فوج کا نشان یہی جھنڈا مقرر کیا اور اس کو بہت ہی ہیرے اور جواہرات سے سجایا۔ یہ جھنڈا ایران کے تمام بادشاہوں کے پاس رہا لیکن جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو سعد بن ابن وقاص نے اسے چھین کر مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کیا۔

کر دیا۔ پہرے داروں کو قتل کرتا ہوا وہ محل میں داخل ہوا۔ اور ضحاک کے تخت پر پاؤں رکھ کر تاج اپنے سر پر رکھ دیا۔

ایک آدمی بھاگتا ہوا گیا۔ اور ضحاک کو اطلاع دی۔ ضحاک نے جلدی سے ایک فوج جمع کی اور فریدوں کے مقابلہ کو چلا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور فصیل سے کود پڑا۔ فریدوں تیر کی طرح بڑھا اور اپنے گرز سے ایک وار ضحاک کے سر پر کیا۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا اس کو قتل نہ کرو بلکہ غیر آباد پہاڑوں میں چھوڑ دو چنانچہ فریدوں نے ضحاک کے ہاتھ پاؤں باندھے اور داد نڈ کے پہاڑ پر لے جاکر اس کو زنجیروں سے جکڑ دیا۔ وہاں ضحاک چند دن کے بعد مر گیا۔



پاسِ عہد

(از)

جناب طاہر غلام ناصر خاں صاحب طاہر

اس کہانی میں ایک رومن کی بہادری لکھی گئی ہے۔ جس کے عیوض اس کو مار ڈالا گیا۔ بہت دنوں کا ذکر ہے کہ شمالی آفریقہ میں کارتھیج ایک ملک تھا اہل کارتھیج اور رومن ہمیشہ ایک دوسرے سے بر سرپیکار رہتے تھے۔ شروع شروع میں تو جہاں جہاں رومن گئے فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے لیکن کارتھیج والے بھی کچھ کم بہادر نہ تھے۔ انہوں نے ایک لڑائی ایسی لڑی کہ ایک رومن جنرل "ریگولس" کو اور اس کے ہزاروں ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔ اور

مدت تک اس کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہے لیکن اس بہادر نے اف تک نہ کی اور صبر و استقلال سے سب مصیبتیں سہتا رہا۔ آخر کار قرطاجنہ والوں نے اسے اس شرط پر چھوڑا کہ اپنے ملک جاکر صلح کی کوشش کرے۔ اگر ناکامیاب رہا تو پھر واپس قید میں آجائے۔ چنانچہ ایک جہاز میں بٹھا کر اس کو روم بھیجدیا۔ رومیوں کو اس کے آمد کی خبر سن کر بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے شہر کو خوب سجایا اور اس کی آمد کے منتظر تھے۔ جب ریگولس آیا۔ تو اس نے شہر میں آنے سے انکار کر دیا۔ شہر کے معزز آدمی اس کو لینے کو آئے اور بڑی مشکلوں سے اسکو منا کر لے گئے اس نے سب سے مخاطب ہو کر کہا! میں یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے ہوں مجھے اس طرح بولنے کا حق نہیں! کارتھیج والے اب لڑائی سے تنگ آ گئے ہیں جن کے پاس سامان جنگ ختم ہو گیا ہے وہ صلح کرنا

چاہتے ہیں۔ لیکن وہ دن آنیوالا ہے کہ روم کی فوجیں فاتحانہ انداز سے کارتھیج میں داخل ہونگی میں اپنی قوم کو صرف اپنی جان کی خاطر ذلت کے سمندر میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ واپس کارتھیج جانے لگا۔ بہتوں نے منع بھی کیا۔ کہ وہاں نہ جاؤ۔ لیکن اس نے قول ہارنا مناسب نہ سمجھا اور واپس کارتھیج چلا گیا۔ جب وہاں سے لوگوں کو سب حال معلوم ہوا۔ تو بجائے اس کے بہادری کی داد دینے کے اس کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ آخر کار بہادر ریگولس اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگتا ہوا قید میں ہی راہی ملک عدم ہوا۔

ارسطو کی پیشین گوئی

(از)

جناب عزت علی صاحب متعلم ہائی اسکول رامپور

جب ارسطو سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ایک انسان جھوٹ بول کر کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اس نے انہیں جواب دیا جب وہ سچ بھی کہیگا تو اس کا یقین نہیں کیا جائے گا۔

حبیب ایک غریب لڑکا تھا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک گاؤں شاہ آباد نامی میں رہا کرتا تھا۔ اس کے والدین بہت غریب تھے اور بمشکل اپنی ضروریات پوری کر سکتے تھے۔ گاؤں میں ایک پرائمری اسکول تھا

لیکن چونکہ حبیب کا والد نجیب خود پڑھا لکھا نہ تھا۔اس لئے اس نے اپنے لڑکے کی تعلیم کی طرف کچھ توجہ نہ کی حالانکہ گاؤں کے اسکول میں تعلیم مفت دی جاتی تھی بہر حال۔جب وہ کافی بڑا ہو گیا تو بھیڑوں کے چرانے کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔

حبیب کی عمر اب (۷) سال کی ہو گئی اور اسے پیسے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔لیکن اس کے والدین اس کی خواہش کو پورا نہ کر سکتے تھے

حبیب جس جگہ بھیڑیں چرانے جاتا وہاں گاؤں کے ایک امیر ٹھیکیدار کا مکان تھا۔اور گاؤں کی ایک عورت جو اس کا بہت خیال کرتی تھی کام کرنیکے لئے جاتی تھی وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتی اور چونکہ وہ جگہ جہاں بھیڑیں چرا کرتی تھیں کافی محفوظ تھی۔اس لئے حبیب کو بھی اس کے ساتھ جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔امیر ٹھیکیدار کی بیوی کاہل عورت تھی اور

اس کے پیسے پلنگ وغیرہ پر پڑے رہتے تھے۔ اس لئے حبیب کو ان کے چرانے میں کوئی خاص کوشش نہ کرنا پڑتی تھی۔ بھیڑوں کے ساتھ وہ رات کو گھر آتا اور وہ پیسے جو باقی ہوتے اپنی ماں کو دیدیتا۔ وہ بہت خوش ہوتی اور اپنے دل میں کہتی کہ میرا بیٹا کتنا محنتی ہے کیونکہ حبیب اس سے یہی کہتا کہ مجھے ٹھیکہ دار نے میری مزدوری دی ہے۔ میں نے اس کی بھی بھیڑیں چرائی تھیں اور ان کی نگرانی کی تھی۔

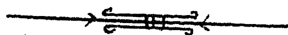
کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی اور اس کے بعد اُس کو ٹھیکہ دار نے اپنے گھر آنے سے منع کردیا۔ اب اس کے لئے سوائے اس کے کہ وہ خالی بیٹھا بھیڑوں کی نگرانی کرتا رہے۔ تفریح کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ اس لئے اس نے ایک دن زور زور سے بھیڑیا، بھیڑیا، پکارنا شروع کیا۔ ادھر اُدھر جو لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ اپنی لاٹھیاں لئے

لیکر ایک لمحہ میں آپہنچے اور لڑکے سے دریافت کرنے لگے
کہ بھیڑیا کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ میری
چیخیں سنکر بھاگ گیا۔ کسان اپنے اپنے کھیتوں کو واپس
چلے گئے۔

اب تو حبیب کا یہ روزانہ کام تھا کہ وہ "بھیڑیا
بھیڑیا" کہہ کر آس پاس کے لوگوں کو کچھ دیر کے لئے
اپنے پاس اکٹھا کر لیتا دو تین روز تک تو کسان اسکی
آواز سن کر مدد کے لئے آتے رہے۔ کیونکہ ان کا
خیال تھا کہ کہیں وہی بھیڑیا نہ ہو جس کے گاؤں میں
آنے کی خبر مشہور ہے۔ لیکن چوتھے روز اس کی آواز
پر کوئی نہ آیا۔ پانچویں روز بھی ایسا ہی ہوا۔ چھٹے
روز اتفاقاً "بھیڑیا" آہی گیا۔ اُسے دیکھ کر حبیب نے
چیخیں مارنا شروع کیں لیکن کسی کو نہ آنا تھا اور
نہ آیا۔ اور بھیڑئے نے بھیڑوں کی بجائے حبیب پر
ہاتھ صاف کیا۔ جب اس کے والدین کو خبر ملی تو وہ

بہت رو ے پیٹے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا بعد
کو گائوں والوں کی زبانی سارا قصہ انہیں معلوم
ہوا اور اونہوں نے عہد کیا کہ آیندہ اپنے بچوں کو
جھوٹ بولنے سے روکیں گے۔ اور دوسروں سے التجا
کی وہ بھی ایسا ہی کریں۔

اس طرح ارسطو کی پیشینگوئی سچ ثابت ہوئی ہم
سب کو چاہئے کہ ہمیشہ جھوٹ بولنے سے پرہیز کریں
خواہ کیسی ہی مصیبت کیوں نہو۔ بہت سے ایسے لوگ
ہیں جو سچ بولنے والوں سے خوش ہوتے ہیں اور
ان کا ناقابل معافی قصور بھی معاف کر دیتے
برخلاف اس کے جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ ثابت
کرکے انہیں سزا دیتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہئے۔



مسدس

(از)

شمس العلما خواجہ الطاف حسین۔ حالی

تعلیم

بس اب وقت کا حکم ناطق یہی ہے
کہ جو کچھ ہے دنیا میں تعلیم ہی ہے
یہی آج کل اصل فرمان دہی ہے
اسی میں چھپا سر شاہنشہی ہے
ملی ہے یہ طاقت اسی کیمیا کو
کہ کرتی ہے یہ ایک شاہ و گدا کو

(۲)

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت
سمجھاتی ہے حاکم کو راہِ عدالت

دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت
جہاں سے اٹھاتی ہے رسمِ بغاوت
یہی ہے رعیت کو حقدار کرتی
یہی ہے کہ دومہ کو ہموار کرتی

(۳)

سنی ہے غریبوں کی فریاد اس نے
کیا ہے غلامی کو برباد اس نے
رعیِ[۱] پبلک کی ڈالی ہے بنیاد اس نے
بنایا ہے پبلک[۲] کو آزاد اس نے
مقید بھی کرتی ہے یہ اور رہا بھی
بناتی ہے آزاد بھی باوفا بھی

(۴)

تجارت نے رونق ہے یہ اس سے پائی
کہ ہیچ اس کے آگے ہے فرمان روائی

۱۔ یعنی سلطنت جمہور۔ ۲ یعنی جمہور۔

فلاحت کی یہ منزلت ہے بڑھائی
کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی
ترقی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی
کہ ہوتی ہے معلوم قدرت خدا کی

(۵)

یہ نا اتفاقی ہے قدموں سے کھوتی
یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہے دہوتی
یہ دانے ہے سب ایک لڑ میں پروتی
یہ نقطوں پہ خط کی طرح ہے گذرتی
کروڑوں دلوں کو ہے یہ ایک کرتی

(۶)

جہاں یہ نہیں واں نہ قوم اور نہ ملت
نہ ملکی حمایت نہ قومی حمیت
جدا سب کے رنج اور جدا سب کی راحت

الگ سب کی ذلت الگ سب کی عزت
خبر واں نہیں یہ ہے کہ قوم شے کیا
چھپا سترِ حق اس تعلق میں ہے کیا

(۷)

جنہوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت
نہ جانی مسلط ہوئی ان پہ ذلت
ملوک اور سلاطین نے کھوئی حکومت
گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

(۸)

یہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے
نہ برکت ہے پیشہ میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے
ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے

کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہاتھ پر ہاتھ بیٹھے

(۹)

نہ پاس ان کے چادر نہ بستر ہے گھر کا
نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی۔ نہ نشتر ہے گھر کا
صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا
کنول مجلسوں میں۔ قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

(۱۰)

جو مغرب سے آئے نہ مال تجارت
تو مر جائیں بھوکے وہاں اہل حرفت
ہو تجار پر بند راہ معیشت
دکانوں میں ڈھونڈھے نہ پائے بضاعت
پرائے سہارے ہیں بیوپار وال سب

طفیلی ہیں سیٹھ اور تجار واں سب

تمام شد

